قدم قدم منزل
نسیم سیفی

نام کتاب ــــــــــ قدم قدم منزل

مصنّف ــــــــــ نسیم سیفی

ناشر ــــــــــ سیفی برادرز ۴ میکلوڈ روڈ لاہور

تاریخ اشاعت ــــــــــ مئی ۱۹۸۱ء

قیمت ــــــــــ دس روپے

مطبع ــــــــــ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

کتابت ــــــــــ رضوان الکتابت ربوہ

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

میری نظموں کا پہلا مجموعہ ۱۹۴۴ء میں چھپا تو میرے محترم دوست عبدالسلام صاحب اختر نے پیش لفظ میں لکھا :-

" نسیم کی نظموں کا پہلا مجموعہ جو " اشارے " کی صورت میں طبع ہو رہا ہے کسی دیباچے کا محتاج نہیں جنہوں نے آپ کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے وہ آپ کی ادبی عظمت سے خوب واقف ہیں اور جو ابھی تک آپ کی شاعری سے متعارف نہیں ان کے لئے اس مجموعے کو پیش کر دینے کے علاوہ کسی تحریک کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی "۔

مزید لکھا :-

" چمنستانِ شعر و سخن کے کسی گوشے میں ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے۔ جس میں " ادب " کو مذہب کی شعاعوں سے جلا دے کر تسکینِ رُوح کے امکانات قریب سے قریب تر

ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔"

۱۹۶۸ء میں "نورِ فطرت" کے پیش لفظ میں محترم حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب نے تحریر فرمایا:۔

"نورِ فطرت" جو سلسلہ احمدیہ کے نامور شاعر جناب نسیم سیفی کی نظموں کا مجموعہ ہے اس پر نظر کرنے سے دل پکار اُٹھتا ہے کہ اس میں حضرت حسّانؓ کی شاعری کا رنگ چھلک رہا ہے۔ پاکیزہ الفاظ میں اور بہترین دلرُبا انداز میں حقائق کو ایک سلک میں پرو دیا گیا ہے۔ نظموں میں تنوع ہے۔ جذباتِ فطرت کی صحیح تعبیر ہے۔ ادبیت کے ساتھ ساتھ دینداری کی رُوح ہر جگہ غالب ہے۔

"نورِ فطرت" خادمِ اسلام شاعر کی رُوح کی آواز ہے۔"

۱۹۷۱ء میں "تلاشِ مسلسل" کے پیشِ لفظ میں محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے تحریر فرمایا:۔

"آپ کی زبان سلیس اور طرزِ کلام دل نشین ہے اور عموماً ہر نظم ایک خاص الگ روحانی مزاج کی حامل ہوتی ہے جس کی مرکزی لڑی میں پروئے ہوئے مختلف اشعار اپنا الگ لطف دینے کے علاوہ اس مرکزی مزاج کے اثر کو گہرا کرتے چلے

جاتے ہیں۔

جماعتِ احمدیہ کی دینی جدوجہد اور عالمگیر قلمی اور لسانی اور مالی اور جانی جہاد میں بڑے خلوص کے ساتھ حصّہ لینے والا یہ مجاہد شاعر جب روحانی مجاہدوں اور حق و باطل کی پیکار کا ذکر کرتا ہے تو فرضی قصّوں کا شاعرانہ بیان نہیں بلکہ واردات اور مشاہدات ہی کو شعروں کے لباس میں پیش کرتا ہے۔"

"تلاشِ مسلسل" ہی سے متعلق ایک مضمون میں محترم ڈاکٹر ناصر احمد صاحب پروازی نے لکھا:۔

"سیفی صاحب کی شاعری میں بناوٹ اور تکلّف کا احساس بہت کم ہے ان کے اشعار بھی سادہ ہیں اور الفاظ بھی۔ لیکن مضامین صرف سادہ نہیں پُرکار بھی ہیں۔ شاعر نے ایک مدّت تک اشاعتِ دین کی خاطر دربدر کی خاک چھانی ہے اور زندگی کی حرکت کا بڑے قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔

اس لئے ان کے ہاں یہ مضمون بڑی کثرت سے بیان ہؤا ہے کہ زندگی مسلسل عمل اور جستجو کا نام ہے اور شائد اسی لئے سیفی صاحب نے اپنے تازہ مجموعہ کلام کا نام بھی "تلاشِ مسلسل"

رکھا ہے۔

ان کی غزلوں میں محبت کی چاشنی۔ آرزو کی خلش۔
زندگی کی ہما ہمی۔ وقت کے بدلے ہوئے تقاضوں کا احساس۔
یعنی وہ سب کچھ موجود ہے جو جدید غزل کا طرۂ امتیاز ہے"۔

"زادِ سفر" پر روزنامہ "نوائے وقت" نے جون ۱۹۷۸ء میں
تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

"نسیم سیفی کے کلام میں بحیثیت شاعر ایک کھنک اور ایک
کسک ہے جو انہیں اردو زبان کے خدمت گاروں میں شامل
کرتی ہے اور "زادِ سفر" کا یہ رنگ دلکش بھی ہے اور
اُمید افزاء بھی"۔

اَب "قدم قدم منزل" احباب کی خدمت میں پیش ہے۔

نسیم سیفی
۱۷ دسمبر ۱۹۸۰ء

(۱)

زندگی ضوفشاں ہے ترے شہر میں — آدمیت کی جاں ہے ترے شہر میں
ہر قدم رُک گیا۔ ہر نظر جُھک گئی — منزلِ کارواں ہے ترے شہر میں
موت برحق، مگر جانِ من. موت پر — زندگی کا گماں ہے ترے شہر میں
عشق بھی تو نہیں ہے زوال آشنا — حُسن گر جاوداں ہے ترے شہر میں
ذرہ ذرہ ہے تاروں سے تابندہ تر — ہر گلی کہکشاں ہے ترے شہر میں
رات کی ظُلمتیں نُور افشاں ہوئیں — کس کے دل کا دھواں ہے ترے شہر میں
جس کی گردش سے دُنیا پریشان ہے — کیا وہی آسماں ہے ترے شہر میں؟
مطمئن ہے نظر، قلب مسرور ہے — کتنا امن و اماں ہے ترے شہر میں
مَرد و زن محو نعت و مناجات ہیں — حمد وردِ زباں ہے ترے شہر میں
رُوح کے رامش و رنگ کے واسطے — اک صدائے اذاں ہے ترے شہر میں
غیر کو آسکے گا نہ شائد نظر — مجھ پہ جو کچھ عیاں ہے ترے شہر میں

تو نہ جانے تو ہے بے نیازی تری
ورنہ میرا مکاں ہے ترے شہر میں

۲

پتّے پتّے کی صدا ہے شورِ محشر کی امیں
بے زبانی کا کسی سے بھی ہمیں شکوہ نہیں

اپنے دِل کی بات کہہ کر ہم بہت مسرور ہیں
آگ برسائے فلک، یا خوں بہائے اب زمیں

بس رہی ہیں بستیوں پر بستیاں اُمید کی
ہم ہیں جن کی زندگی میں یاس کا عُنصر نہیں

آپؐ کی رہ میں ہر اک ذلّت ہے وجہِ عزّ و جاہ
آپؐ کا بخشا ہُوا اعزاز ہے سب سے حسیں

آپؐ کے فیضان سے دونوں جہاں ہیں فیضیاب
آپؐ کا لطف و کرم ہے حاصلِ خلدِ بریں

ہر طرف ضَو دے رہا ہے آپ کا مہرِ منیر
آپ کے ممنون ہیں سب اولین و آخریں

آپ کے نقشِ قدم پر قافلہ در قافلہ
اک زمانہ چل رہا ہے آفریں صد آفریں

کیجئے کچھ اَور اُجاگر اس کی منزل کے نشاں
اَب نسیمِ بے نوا کو دیجئے رُوح الامیں

۳

جسے سحر کی کرن روشنی عطا نہ کرے
بجا تو یہ ہے کہ وہ شام سے گلہ نہ کرے

نہ چھوڑیئے گا کوئی کام آج کا کل پر
کسے خبر ہے کہ یہ زندگی وفا نہ کرے

ہر ایک اپنے پرائے سے پُر اُمید رہو
وہ کون ہے جو کسی سے کبھی بھلا نہ کرے

شعورِ راہ نے بھٹکا دیا ہے منزل سے
خدا کسی کو کبھی دَرد آشنا نہ کرے

جنوں نے مرحلۂ عشق کر لیا ہے طے
خرد خموش رہے غلغلہ بپا نہ کرے

ترے مریضِ محبّت کی آرزو ہے یہی
اٹھائے ہاتھ نہ کوئی، کوئی دُعا نہ کرے

کبھی کرم میں کرم گستروں نے کی ہے کمی
حضور، آپ گدا سے کہیں، صدا نہ کرے

نسیم ذوقِ سفر ہی تو ہے متاعِ حیات
کسی مقام کو منزل کہوں، خدا نہ کرے

(۴)

چاند تاروں کی طرح ظلمت میں تابندہ رہو
قلب و چشم و گوش کی دنیا میں پائندہ رہو

کاروانِ وقت کی رفتار کا رکھو خیال
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہو

بے اثر ہے مردِ مومن پر فسونِ روز و شب
منزلوں پر منزلیں پا کر بھی جوئندہ رہو

حسنِ فطرت کی حقیقت رنگ و بو کا امتزاج
تم شعاعِ مہر کی مانند رقصندہ رہو

خون کے پیاسے کو مارے گی اسی کی تشنگی
ضامنِ امن و اماں بن جاؤ تم، زندہ رہو

راستوں کو پھر عطا کر دو نظر کی روشنی
اہلِ ایماں کی جبیں کی طرح تابندہ رہو

لوگ بدلیں تو بدلنے دو انہیں لیکن نسیم
جیسے تم پہلے رہے ویسے ہی آئندہ رہو

(۵)

جفا کے خوف سے ترکِ وفا قبول نہیں
کسی کا ہو، مجھے کیا، یہ مرا اصول نہیں

ہمارے درد کی خوشبو سے دل مہکتا ہے
وہ زخم زخم نہیں ہے جو زخم پھول نہیں

کسی کسی کو وہ منزل پہ یہ بھی کہتے ہیں
تمہارے سر پہ مری رہگذر کی دھول نہیں

یہ شرفِ نوعِ بشر کس طرح ہوا اے دوست
کوئی ظلوم نہیں ہے کوئی جہول نہیں

خرد اصول کی پابند ہے تو ہے بدنام
خوشا نصیب، جنوں کا کوئی اصول نہیں

تم ان کی بزم کے قابل نہ تھے نسیم مگر
بلانے والے کی ہوگی، تمہاری بھول نہیں

(۶)

ہر لمحہ مرے دل نے ترا نام لیا ہے
جتنا بھی جیا تیرے سہارے ہی جیا ہے

مجھ کو بھی کئی بار ہوئی مات خرد سے
میں نے بھی کئی بار گریبان سِیا ہے

منزل کا نشاں بن کے جو راہوں میں پڑے ہیں
منزل نے کئی بار انہیں یاد کیا ہے

خوں بن کے رگِ جاں سے ٹپکتے رہے آنسو
آنکھوں نے کبھی ضبط سے جو کام لیا ہے

کفرانِ مئے ناب گنہگار نہ کر دے
پی، شوق سے پی، جو تجھے ساقی نے دیا ہے

لکھتے رہے روداد مری فردِ عمل میں
کیا خود بھی فرشتوں نے کوئی کام کیا ہے

ہر خار تری راہ کی جانب ہے اشارہ
ہر پھول سرِ راہگذر ایک دیا ہے

دیکھیں تو نسیمؔ اوروں کو ملتا ہے بھلا کیا
اس جام میں ہم نے تو ابھی زہر پیا ہے

(۷)

پھولوں کی تمنا ہے تو کانٹوں پہ نظر رکھ
راحت کا تقاضا ہے تو غم کی بھی خبر رکھ

بانٹی ہے گھٹاؤں نے مئے ناب سبھی کو
میرے بھی لئے کچھ تو مرے دیدۂ تر، رکھ

ڈالوں نہ ستاروں پہ کمندیں تو کروں کیا
خود بھی تو کبھی تُو مرے دامن میں گہر رکھ

دے کون مجھے داد مرے حُسنِ طلب کی
میں کس سے کہوں، میری دعاؤں میں اثر رکھ

۶

ہر لمحہ مرے دِل نے ترا نام لیا ہے
جتنا بھی جیا تیرے سہارے ہی جیا ہے

مجھ کو بھی کئی بار ہوئی مات خرد سے
میں نے بھی کئی بار گریبان سِیا ہے

منزل کا نشاں بن کے جو راہوں میں پڑے ہیں
منزل نے کئی بار انہیں یاد کیا ہے

خوں بن کے رگِ جاں سے ٹپکتے رہے آنسو
آنکھوں نے کبھی ضبط سے جو کام لیا ہے

کفرانِ مئے ناب گنہگار نہ کردے
پی، شوق سے پی، جو تجھے ساقی نے دیا ہے

لکھتے رہے روداد مری فردِ عمل میں
کیا خود بھی فرشتوں نے کوئی کام کیا ہے

ہر خار تری راہ کی جانب ہے اشارہ
ہر پھول سرِ راہگذر ایک دیا ہے

دیکھیں تو نسیمؔ اَوروں کو ملتا ہے بھلا کیا
اس جام میں ہم نے تو ابھی زہر پیا ہے

۷

پھولوں کی تمنا ہے تو کانٹوں پہ نظر رکھ
راحت کا تقاضا ہے تو غم کی بھی خبر رکھ

بانٹی ہے گھٹاؤں نے مئے ناب سبھی کو
میرے بھی لئے کچھ تو مرے دیدۂ تر، رکھ

ڈالوں نہ ستاروں پہ کمندیں تو کروں کیا
خود بھی تو کبھی تُو مرے دامن میں گہر رکھ

دے کون مجھے داد مرے حُسنِ طلب کی
میں کس سے کہوں، میری دعاؤں میں اثر رکھ

۹

گھر کی دیواریں ہی جب آپس میں ٹکرانے لگیں
شہر کی گلیوں سے کیوں صحرا نہ شرمانے لگیں

یوں تو توقیرِ بشر ہے آدمیت کا عروج
کیا کریں جب آدمی ہی سنگ برسانے لگیں

ضبطِ غم سے اور گہری ہو گئیں اقدارِ غم
چپکے چپکے ہم زمانے بھر کے غم کھانے لگیں

لائیے ہم زہر رکھ لیں اپنی شہ رگ کے قریب
اپنی مرگِ ناگہاں کو آپ بلوانے لگیں

اُن سے کہہ دو آسماں پر ہو گیا ہے فیصلہ
اَب نہ اپنے سَر کو دیواروں سے ٹکرانے لگیں

آگیا ہے جلوۂ حُسنِ ازل بالائے بام
لوگ کیوں مایوس ہو کر اپنے گھر جانے لگیں

تو سرِ محفل نظر انداز مجھ کو یوں نہ کر
میرے ہونٹوں پر ترے شکوے گلے آنے لگیں

میرا کیا ہے میں تو ہر سانچے میں ڈھلتا جاؤں گا
آپ جو چاہیں مجھے ارشاد فرمانے لگیں

تشنہ لب! پابندیٔ بادہ پرستی سے نہ ڈر
کیا عجب ہے وہ گھٹا سے مئے ہی برسانے لگیں

اپنی رگ رگ میں رواں کر عشقِ دینِ مصطفیٰ
تاکہ ساری منزلیں تیری قریب آنے لگیں

اور گہری ہو گئی ہے رات کی ظلمت نسیم
لوگ جل جل کر دلوں کی آگ سلگانے لگیں

۱۰

ہر راستہ ہے آج تو زنداں کا راستہ
تسکینِ قلب و رُوح و دل و جاں کا راستہ

یوں پھر رہا ہوں شہر کی گلیوں میں دَم بخود
طے کر رہا ہوں جیسے بیاباں کا راستہ

جب سے ہُوا ہوں مُہر بہ لب جور وظلم پر
کھلنے لگا ہے رحمتِ یزداں کا راستہ

دوزخ سے ہو کے جاتے ہیں جنّت کی سمت لوگ
دَورِ خزاں ہے فصلِ بہاراں کا راستہ

گہرائیوں میں ڈوب کے رفعت کا حال پوچھ
جذبِ دروں ہے عشق کے عرفاں کا راستہ

مَیں بھی اُفق سے تا بہ افق پھیل جاؤں گا
اپنا لیا ہے گردشِ دوراں کا راستہ

پھر آ گئے حرم میں کسی دَیر کے مکیں
کافر گری بنی ہے جو ایماں کا راستہ

سینہ سپر ہے منتظرِ معرکہ، نسیم
کوئی بدل نہ دے کہیں طوفاں کا راستہ

۱۱

بادل بادل بجلی ڈھونڈو ہَوا ہَوا طوفان
اس سعیٔ مشکور سے شاید رَہ جائے کچھ مان

کل تک جن کی نوکِ سناں تھی میری رگوں کا روگ
آج ہوئے ہیں اپنے خون کی ندیوں میں ہلکان

خالی اور خاموش آنکھوں سے اشکوں کی برسات
جس بستی کو چُپ سی لگی تھی اس میں اُٹھا ہیجان

سوچ رہا ہوں اور سوچوں سے اُلجھ رہی ہے بات
خالی گھر میں بھی آتا ہے کبھی کوئی مہمان

۱۰

ہر راستہ ہے آج تو زنداں کا راستہ
تسکینِ قلب و رُوح و دل و جاں کا راستہ

یوں پھر رہا ہوں شہر کی گلیوں میں دَم بخود
طے کر رہا ہوں جیسے بیاباں کا راستہ

جب سے ہُوا ہوں مُہر بہ لب جور وظلم پر
کھلنے لگا ہے رحمتِ یزداں کا راستہ

دوزخ سے ہو کے جاتے ہیں جنّت کی سمت لوگ
دَورِ خزاں ہے فصلِ بہاراں کا راستہ

گہرائیوں میں ڈوب کے رفعت کا حال پوچھ
جذبِ دروں ہے عشق کے عرفاں کا راستہ

مَیں بھی اُفق سے تا بہ اُفق پھیل جاؤں گا
اپنا لیا ہے گردشِ دوراں کا راستہ

پھر آگئے حرم میں کسی دَیر کے مکیں
کافر گری بنی ہے جو ایماں کا راستہ

سینہ سپر ہے منتظرِ معرکہ، نسیم
کوئی بدل نہ دے کہیں طوفاں کا راستہ

۱۱

بادل بادل بجلی ڈھونڈو ہَوا ہَوا طوفان
اس سعیِ مشکور سے شاید رَہ جائے کچھ مان

کل تک جن کی نوکِ سناں تھی میری رگوں کا روگ
آج ہوئے ہیں اپنے خون کی ندیوں میں ہلکان

خالی اور خاموش آنکھوں سے اشکوں کی برسات
جس بستی کو چُپ سی لگی تھی اس میں اُٹھا ہیجان

سوچ رہا ہوں اور سوچوں سے اُلجھ رہی ہے بات
خالی گھر میں بھی آتا ہے کبھی کوئی مہمان

سب آئے اُمیدیں لے کر سب کے پھیلے ہاتھ
تم بھی اپنے دل کو ٹٹولو، ہے کوئی ارمان

تُو اپنوں سے بڑھ کر اپنا تجھ سے اوجھل کون
سب کے نام بتائے تونے مجھ کو بھی پہچان

میری سانسوں کا ہے تیری رحمت سے پیوند
میرا لمحہ لمحہ لیتا ہے تجھ سے فرمان

یہ احسان ہے تیرا میں ہوں ایک فقیر حقیر
لوگ بہت کچھ کہہ دیتے ہیں، یہ بھی ترا احسان

واہ نسیم عجیب ہو تم بھی سب سے کہتے ہو
مَیں مانوں نہ مانوں تیری تُو تو میری مان

۱۲

یہ کیا کہ گام گام پہ بدلے ہیں ہمسفر
کچھ دُور تک تو ساتھ ہمارے کوئی چلے

اے کاش لوگ فکر و تدبّر سے کام لیں
حل ہوں گے مُہرِ لب سے زبانوں کے مسئلے

پہچان ان کے نقشِ قدم کی نہیں ہے سہل
ہیں اس کے ساتھ ساتھ کئی اور مرحلے

ہم اپنے گرد و پیش سے کیوں نا اُمید ہوں
گُل بھی وہیں کِھلے ہیں جہاں خار و خس پلے

تازہ کرے کوئی تو روایاتِ بوذری
کوئی تو راہِ حضرتِ سلمان پر چلے
تہذیبِ نَو سے کوئی نیا گُل نہیں کھِلا
سب کچھ ہُوا ہے اس فلکِ پیر کے تلے
کیا اِس طرح کے لوگ بھی شب زندہ دار ہیں
جن کا دیا بوقتِ نمودِ سحر جَلے
اَوروں کو انقلاب نے بدلا بسعیٔ تام
ہم ہیں کہ انقلاب کے سانچے میں خود ڈھلے
اَب خامشی، نسیم، دلیلِ وفا بنے
گردن کو رکھ دیا ہے جو تلوار کے تلے

۱۳

جو کوئی چاہے زمیں سے آسماں پیدا کرے
اپنے جینے کے لئے اپنا جہاں پیدا کرے
گلشنِ قلب ونظر گُل پوش کرنا ہو جسے
میری طرح ذوقِ تزئینِ جہاں پیدا کرے
بوالہوس نے زندگی کر لی ہے کیوں وقفِ محن
عشق ہے تو جرأتِ جورِ بتاں پیدا کرے
دامنِ دل میں نہاں ہے ایک چنگاری کہ جو
شعلۂ جوّالہ و برقِ تپاں پیدا کرے

نشأۃِ اسلام کے اس خسروانہ دَور میں
لازماً ہر فرد اک عزمِ جواں پیدا کرے
کوئی تو اللہ سے لائے تعلق کی دلیل
کوئی تو تائید و نصرت کے نشاں پیدا کرے
کوئی تو راتیں گذارے چشمِ نم کو پونچھتے
ہر صدا سے کوئی تو آہ و فغاں پیدا کرے
بادہ نوشو پاسِ میخانہ کی خاطر یہ تو ہو
ہر کوئی ہمرنگِ پیرِ مغاں پیدا کرے
قوم از خود قافلہ کس طرح بن جائے نسیمؔ
کارواں کس طرح میرِ کارواں پیدا کرے

---

(۱۴)

منزلوں کا تصوّر یہ راستوں کا شعور
نگاہِ فاصلہ کُش میں نہ کچھ قریب نہ دُور

ستارۂ سحری ہے نہ صبحِ نَو کی کرن
ترے خرابۂ دل میں کوئی کلیم نہ طُور

بہار گلستاں سے مستعار نہ لے
کہ اس کی آگ ہے بے شعلہ رنگ ہے بے نُور

کوئی امیر نہیں ہے کوئی فقیر نہیں
بدل گیا ہے نشیب و فراز کا دستُور

اسی کے سر پہ ہے تاجِ شہی بھی بارِ گراں
کسی کے واسطے زنجیرِ پا ہے وجہِ سرور

نکھر سکے تو نکھارو مرے لہو سے چمن
بنا سکو تو بناؤ اسے شرابِ طہور

نسیمؔ، حلقۂ دانشوراں ہے دامِ فریب
خرد کے نام پہ ہے زندگی میں سارا فتور

---

(۱۵)

فلک نے برسائے ہیں شرارے زمین لاوا اگل رہی ہے
ہر ایک شے بے قرار ہو ہو کے اپنی ہیئت بدل رہی ہے
غفور! میرے غفور!! تیری پنہ میں آنے کی آرزو میں
سعید رُوحوں کے دل کی دُنیا تڑپ تڑپ کر مچل رہی ہے
مَیں رہگذاروں میں اپنے خوں کے، قدم قدم پر، چراغ رکھ دُوں
کہ میرے دل میں یقینِ منزل کی ایک مشعل سی جل رہی ہے
مَیں ہاتھ اُٹھا کر یہ سوچتا ہوں خدا سے کیا مانگنا ہے مجھ کو
مَرض کی شدت تو ہے فزوں تر، مگر طبیعت سنبھل رہی ہے
زباں پہ پہرہ تو خیر تھا ہی خیال کی رَہ بھی روکتے ہیں
ستم کی قسمت شکست ہے اور ازل سے یہ بات اٹل رہی ہے
نسیم اپنے وطن کے ذروں پہ ہم ستارے نثار کر دیں
یہ بات وہ ہے چمن میں جس پر گلوں کی آپس میں چل رہی ہے

(۱۶)

راہگذر بھی صاف ہے میری، منزل بھی ہے پاس
پھر بھی جانے دل میں کیوں ہیں بُرے بُرے وسواس
راتیں ہوں تاریک تو برکھا کرتی ہے بے چین
چاند شبوں میں شبنم سے بھی بجھ جاتی ہے پیاس
ذروں کو افلاک کی رفعت کا کیوں ہو ادراک
کاہکشاں کو کیسے ہوگا پستی کا احساس
جو سوچے اور اپنی سوچوں کو سمجھے بے سود
اس کو ذہن و دل کی باتیں کب آئیں گی راس
دل کی بات زباں پہ لا کر بنتے ہو منصور
دل کی دل میں رکھنے والوں کی توڑو گے آس
جن کی مسند ڈول رہی ہے ان کی شانیں دیکھ
جن کے بازو ٹوٹ چکے ہیں وہ ہیں سرجن داس
نفسا نفسی کے عالم میں ہر اک ہے مجبور
کام نسیم نہیں آ سکتے اب خضر و الیاس

١٧

یوں تو ہے ہر سمت ویرانہ بہت
مجھ کو ہے اک کنجِ میخانہ بہت

ناپئے ہر طرح انساں کو مگر
آدمیت کا ہے پیمانہ بہت

جس سے سیکھا ہم نے درسِ دوستی
آشنا کم ہے وہ بیگانہ بہت

کچھ تو کہئے ورنہ خاموشی کے ساتھ
پھیلتا جاتا ہے افسانہ بہت

اِدّعائے شوق میں ہو گر خلوص
التفاتِ رُوئے جانانہ بہت

ہو اگر دل میں اسیری کی ہوس
ہر قدم پر دام اور دانہ بہت

کیسی مشکل میں ہے حرفِ آرزو
ہاں بہت کم اور ہے نہ نہ بہت

جل اُٹھے ہیں آج یادوں کے چراغ
ہے منور دل کا کاشانہ بہت

ہم نے تجھ کو خوب جانچا ہے نسیمؔ
شمع کم ہے اور پروانہ بہت

١٨

گرچہ ہر بات اک دُعا میں ڈھلی
اپنی تقدیر تو کبھی نہ ٹلی

کتنی مشکل سے مجھ کو صبر آیا
کتنی مشکل سے میری رات ڈھلی

میں کہ تھا منتظر بگولوں کا
میری خاطر ہوا تلک نہ چلی

آسماں ساری عمر ساتھ چلا
اور زمیں ہے کہ اک قدم نہ چلی

اُس کی سُنتے ہیں وہ بصد تعجیل
جس نے چہرے پہ اپنے خاک ملی

دیکھ کر میرے ہاتھ میں کشکول
ہر گلی بن گئی ہے تیری گلی

کون لے گا ترا حساب نسیمؔ
وہ جو ہے واقفِ خفی و جلی؟

۱۹

کسی کے دامن کی بات کیا ہے ہم اپنا دامن جھٹک رہے ہیں
کسی کی نظروں کے تیر سہ کر ہر ایک دل میں کھٹک رہے ہیں

اب آپ اپنی سی روشنی کو چھپا کے رکھیے گا زیرِ داماں
کہ رہگذارِ حیات تو پر چمکنے والے چمک رہے ہیں

یہ حاصلِ سعیٔ جستجو ہے اسی پہ ذوقِ تلاش قرباں
کہ جانے پہچانے راستوں پر سنبھل سنبھل کر بھٹک رہے ہیں

ہے بھیگی بھیگی سیاہیٔ شب ٹھہر بھی جاؤ، ٹھہر بھی جاؤ
تمہارے جلوے تو عام راتوں میں بھی بہت دیر تک رہے ہیں

کچھ اس طرح سے صراحیوں سے انڈیلتا ہے شراب ساقی
کہ جیسے تسنیم کی ندی کے حسین کنارے چھلک رہے ہیں

نسیمؔ دُنیا ہزار بدلے رموزِ عشق و جنوں وہی ہیں
کچھ اہلِ دل آج بھی صلیبوں کے بازوؤں سے لٹک رہے ہیں

۲۰

لفظوں سے کچھ گیت بنے ہیں گیتوں سے سنگیت
دیپ سے دیپ جلاتی جائے، دُنیا کی یہ ریت

یوں تو چاروں اور ملا ہے دھرتی سے آکاش
اپنی اپنی بپتا سب کی، کون کسی کا میت

سمے سمے کی بات ہے گھڑیاں رُکیں تو رُک ہی جائیں
اُڑن کھٹولا بن کر صدیاں بھی جاتی ہیں بیت

کون کسی کا درد بٹائے زخموں کو سہلائے
سب کے مَن میں کرودھ کٹاری مُنہ پر پریم اور پریت

نگر نگر ہے درد کا چرچا گلی گلی منصور
سَر کی بازی ہارنے والے من کی بازی جیت

سُنو سُنو سُننے والو یہ بات نسیمؔ بتائیں
اُلٹے پاؤں لَوٹ کے جائے، ظُلم کی ہے یہ ریت

(۲۱)

کچھ لوگ رہبر کچھ لوگ رہزن — یہ بھی ہیں دشمن وہ بھی ہیں دشمن
بنتی نہیں رہگذاروں سے ان کی — رہتی ہے منزل سے اُن کی اَن بَن
ہے تاجِ شاہی اُن کو میّسر — بے سر ہے صدیوں سے جن کی گردن
لے جاؤ سب کچھ جو ہاتھ آئے — میرا اثاثہ ہے ایک مدفن
ہم اک خرابے میں رہ رہے ہیں — بستی ہماری مولد نہ مسکن
غصّے کی دولت تقسیم کر دو — تم جانتے ہو شفقت کا یہ فن
ہیں تو تمہاری خاطر ہی چپ ہوں — ہے خامشی پہ بھی کوئی قدغن
تدبیر، مہر و مہ و کہکشاں ہے — تقدیر اپنی ہے سنگ و آہن
ہم اور ہمارے نغمے ہی نغمے — تم اور تمہارا شیون ہی شیون

گو ہے نسیم آج کچھ کچھ اندھیرا
کل کی فضا ہے روشن ہی روشن

(۲۲)

ہر ہر قدم پہ اِک مرحلہ ہے، ہر ہر قدم پہ دار و رسن ہے
اس زندگی کی راہوں میں یارب مرنا ہے آسان جینا کٹھن ہے
مُڑ مُڑ کے دیکھا چھُپ چھُپ کے جھانکا آنکھوں میں شوخی ہونٹوں پہ نالے
اُس نے نہ جانا مَیں بھی نہ سمجھا یہ دل لگی یا دل کی لگن ہے
یہ چاند شب اور تم جلوہ آرا فرشِ زمیں بھی عرشِ بریں ہے
پھر بھی ہماری آنکھیں ہیں پُر نم پھر بھی ہمارے دل میں چبھن ہے

۲۳

بہت بہا ہے مقدس لہو سرِ بازار
بہت لُٹی ہے متاعِ شرف، متاعِ وقار

الاؤ جل کے بنے رہگزر میں سنگِ میل
بہت گئے سرِ مقتل بہت سجے سرِ دار

ملی ہے دادِ وفا بھی بہ نوکِ تیغ و سناں
بہت سے چھین لئے دوستوں نے لیل و نہار

ہُوا فراخیٔ ارض و سما کا دامن تنگ
بہت کو مل نہ سکا ان کا اپنا دیس و دیار

سخن سے چھن گئی شائستگی کی روحِ رواں
بہت کے دل ہیں پریشاں جگر بہت کے فگار

لگی ہے داؤ پہ ناموسِ لب بنامِ ضمیر
بہت کے سامنے ہیں سب و شتم کے انبار

مری نگاہ میں آرائشِ چمن ہے نسیم
مرا عدو تو حقیقت میں ہے عدوئے بہار

۲۴

گھر تو گھر ہے اس میں طوفانِ بلا کوئی نہیں
دشت و صحرا میں بھی پتوں کی صدا کوئی نہیں

کس سے ہم پوچھیں کہاں لے جائے گا یہ راستہ
دُور تک اس رہگزر میں قافلہ کوئی نہیں

رِسنے لگتے ہیں ذرا سی بات پر زخمِ جگر
یوں تو اپنی زندگی میں حادثہ کوئی نہیں

دل میں جلوے صد ہزاراں آنکھ محرومِ جمال
آنکھ اور دل میں اگرچہ فاصلہ کوئی نہیں

کب ہُوا ہے سازِ دل مرہونِ مضرابِ جنوں
نغمگی بے تاب ہے نغمہ سرا کوئی نہیں

زندگی کے شور و شر میں خامشی کس کو نصیب
خامشی کے شہر میں اہلِ صدا کوئی نہیں

غیر تو ہر حال میں پہچان لیتے ہیں نسیم
جن کا میں اپنا ہوں اُن میں آشنا کوئی نہیں

(۲۵)

کون دیتا ہے دُہائی گردشِ ایام کی
موت بھی جپتی ہے مالا زندگی کے نام کی
ہر گلی کوچے میں ہے دار و رسن کا انتظام
آپ نے لاریب یہ تو بات کی ہے کام کی
موجۂ طوفاں سے ہم لپٹے رہیں گے عمر بھر
کچھ تو ہو ساحل پہ رسوائی دلِ ناکام کی
پھر مرے زخمِ جگر رِسنے کا موسم آگیا
اِک جھلک سی ہے نگاہوں میں رُخِ گلفام کی
مجھ کو دیتے ہیں وہ الزامِ محبت آپ ہی
آپ ہی تردید کر دیتے ہیں اس الزام کی
ہم تہی دستی پہ اپنی فخر کرتے ہیں نسیم
شوق سے بازی لگا دیتے ہیں ننگ و نام کی

(۲۶)

مل جاتے ہیں میخانے میں کچھ ایسے بھی میخوار
پیتا ہے کوئی اور وہ ہو جاتے ہیں سرشار
جو گردشِ افلاک سے رہتے ہیں بہت دُور
ہے امن گراں اُن پہ وہ راحت سے ہیں بیزار
لے آئے ہیں بازار میں ہم اپنے دل و جاں
شاید کوئی مل جائے ہمارا بھی خریدار
محکم ہو یقین اپنا تو سر ہوتے ہیں میدان
ایمان سے بڑھ کر تو نہیں تیزیٔ تلوار
مطلوب ہے گر پنجہ کشی اہلِ جنوں سے
لازم ہے ملیں اہلِ خرد مجھ سے سرِ دار
کیا اپنے ثواب و گنہِ دل کی کرے بات
جو ذات میں اپنی نہ ہوا نور نہ ہے نار
لے جا نہ سکے گی وہ کبھی خلدِ بریں تک
جس راہ میں پتھر ہوں نہ کانٹوں کی ہو بھرمار
کرتا ہے فلک آج بھی تعظیم ہماری
دشمن ہے نسیم آج بھی پہلے کی طرح خوار

۲۷

دل اَور نظر اَور زباں اَور قلم اَور
اس دَور میں لوگوں نے تراشے ہیں صنم اَور

کافر کے لئے راس نہ تدبیر نہ تقدیر
مومن کے لئے جیسے کہ ہوں لَوح وقلم اَور

کہتے ہیں کہ مظلوم کی ہر آہ رَسا ہے
ہاں اہلِ ستم ! بارے خدا ہم پہ ستم اَور

ذرّوں کو بھی شعلوں کی زباں ملنے لگی ہے
کھُل جائے گا مہر و مہ و انجم کا بھرم اَور

پھر موج میں آئے ہیں گدایانِ محمدؐ
پھر ہوں گے نگوں دہر میں کچھ قیصر وجم اَور

پہنچے وطنِ پاک کا پرچم سرِ افلاک
ہو جائے نگوں اہلِ عداوت کا علَم اَور

دو چار قدم بھی نہ نسیمؔ اور چلے گا
بَس خُوب سمجھتا ہوں کہ اس میں نہیں دَم اَور

۲۸

دل کی بات زباں پر آئی اور ہوئی مشہور
دُنیا میں مجبوری ہے رسوائی کا دستور

آنگن آنگن جب برکھا پڑتی ہے چھاجوں چھاج
میرے گھر سے بوندا باندی بھی رہتی ہے دُور

دیکھیں منزل پر کب پہنچیں اور پہنچیں کیونکر
ہر ہر گام صلیبیں ہیں اور ہر راہی منصور

پھُولوں کی رنگت سے ایسی آگ بھڑکتی ہے
گلشن کی ہر شے جلنے پر ہوتی ہے مجبور

میخانے کی چوکھٹ کو اَب چھوڑ نہیں سکتا
جس جس نے بھی دیکھ لیا ہے ساقی کا منشور

وہ آئیں جب چاہیں آئیں دل ہے ان کا گھر
مَیں اور آپ بُلاؤں ان کو کب میرا مقدور

ہم سے لاکھ نسیمؔ چھپاؤ، ہم کو ہے معلوم
آنکھوں میں تصویر کسی کی رکھتے ہو مستور

۲۹

ملنے کو تو مِل جاتے ہیں دُکھ سکھ کے بنجارے
خالی ہاتھ ہیں سارے راہی، اِن کو کون پکارے
چندا نے اپنی کِرنوں کو دھرتی پر پھیلایا
میرے ہردے میں آ بیٹھے جُگ جُگ کے اندھیارے
میری ہر اک بات کا پیتل کُندن بن کے نِکلا
دھیان کی بھٹی میں جب مَیں نے دہکائے انگارے
میں کس اور چلوں اور کیسے اپنی منزل پاؤں
ہر اک راہ میں میرے من کا ناگ مجھے پھُنکارے
کل جن کے چہروں پر تم نے ہنس ہنس دُھول مَلی
آج اُنہیں کے ماتھوں پر چمکے ہیں چاند ستارے
آپ نسیمؔ بنے متلاشی اور رہے محرُوم
جن لوگوں نے سب کچھ کھویا ان کے وارے نیارے

۳۰

سورج ڈھلتے وقت بدلتے دیر نہیں لگتی یارو
پھولوں کو پاؤں میں مسلتے دیر نہیں لگتی یارو
وہ معصُوم نگاہیں جن سے شرم و حیا خم کھاتی ہے
اُن میں لاکھوں فتنے پلتے دیر نہیں لگتی یارو
ایک فقیر کی کُٹیا بھی تو بنتے بنتے بنتی ہے
شاہوں کے محلوں کو جلتے دیر نہیں لگتی یارو
آنکھ جھپکتے دھن دولت کا سورج گہنا جاتا ہے
نام و ننگ کے سائے ڈھلتے دیر نہیں لگتی یارو

اس سے بڑھ کر ساقی کی ہم داد جو دیں تو کیسے دیں
ایک ذرہ سی پی کے مچلتے دیر نہیں لگتی یارو

منزل تو کچھ دُور نہیں پر بیٹھے رہیں تو کب پہنچیں
اپنی راہ پہ چلتے چلتے دیر نہیں لگتی یارو

کس کو کب تک اپنا کہیں اور کب بیگانہ سمجھیں ہم
لوگوں کو اب رنگ بدلتے دیر نہیں لگتی یارو

دل کے زخم ہرے ہوتے ہی ایک بہار سی آجاتی ہے
ان باغوں کو پھولتے پھلتے دیر نہیں لگتی یارو

اُن کا نام آتے ہی نسیمؔ آنکھوں سے جھڑی لگ جاتی ہے
سینے میں ارمان مچلتے دیر نہیں لگتی یارو

---

(۳۱)

دن بھر تھکے تھکے پاؤں سے چل کر ہو گئے چُور
لیکن پھر بھی منزل سے ہم رہ گئے کوسوں دُور

طوفانوں کے مُنہ موڑے اور برق سے رشتے جوڑے
پھر بھی قسمت کو اپنی ہر بات ہے نامنظور

اَب بھی تیشہ ہاتھ میں لے کر نکلا ہے فرہاد
پتھر کے کٹنے کا لیکن بدل گیا دستور

جو اُس کی چوکھٹ سے اُٹھ کر صحرا صحرا گھومے
حاکم سے محکوم ہوئے مختار سے وہ مجبور

لہروں سے گھبرانے والے کون تجھے سمجھائے
سیپ تو ساحل پر ملتے ہیں موتی ہیں کچھ دُور

تیری ہر اک بات سکونِ قلب کا اک سرمایہ
تیرے ہر جلوے سے ملتا ہے آنکھوں کو نُور

لحظہ لحظہ دُنیا کے حالات بدلتے ہیں
کون سدا مغموم رہا ہے کون سدا مسرور

شائد آج نسیمؔ تمہارے دل پر چوٹ لگی
چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی ہوتے ہو رنجور

۳۲

غم کی لَو ہے دھیمی دھیمی، عیش کی گرمی سوزِ مکمل
میری طبیعت سنبھلے نہ سنبھلے تُو لہرا دے اپنا آنچل
رات کی تاریکی میں کیوں کھو جائیں میرے درد کے شعلے
مانا تیری یادوں کی ہے آنکھ مچولی شوخ اور چنچل
رندوں کو آواز تو دے کھنکا تو سہی تُو جام و سبو کو
موسم آپ بدل جائے گا آجائیں گے کالے بادل
تُو تو شاید بھول گیا ہو تُو نے کوئی عہد کیا تھا
پاسِ وفا کی میرے ذہن و دل پر کیوں یورش ہے مسلسل
مجھکو تمیزِ سود و زیاں سے اور بھلا کیا مل سکتا تھا
میری نظر میں رہنے لگی ہے جلتے ہوئے احساس کی دلدل
گاہے گاہے آنکھ کا پانی برکھا رت لے آتا ہے
حُسن و محبت کی دُنیا میں ہو جاتا ہے اس سے جل تھل
آج نسیمؔ اک حُسنِ جواں کو ہم اپنا مہمان کریں گے
آج تو سورج ڈھلتے ہی جذبات میں ہے شدّت کی ہلچل

۳۳

وہ جس سے مرے حُسنِ تصوّر کا بھرم ہے
اک راگ ہے اک رنگ ہے اک دیدۂ نم ہے
تحریر اک ایسی ہے جمائے نہیں جمتی
اک ایسی بھی تحریر ہے پتھر پہ رقم ہے
ہر آن نیا روپ ہے اُس دیدہ وری کا
جو شوخیٔ افکار سے مرہونِ ستم ہے
ٹوٹی ہیں ستاروں پہ جو ڈالی تھیں کمندیں
کیا جانئے کس ہاتھ میں قسمت کا علَم ہے
دلبستگیٔ زیست کا جادُو نہیں چلتا
ہر لمحہ و ہر آن نظر سوئے عدم ہے
یوں تو ہے نظر کو بھی تکلّم کا سلیقہ
لیکن یہ زباں ہے کہ ترا حُسنِ کرم ہے
کس چیز پہ مائل ہے نسیمؔ آپ کی فطرت
یہ آتشِ سیال ہے، وہ ساغرِ جم ہے

چمک دمک ہو ستاروں کی، یا گلوں کا نکھار
تری جبیں کی شکن پہ ہر ایک حُسن نثار

جو آرہا ہے زمانہ اسے نگاہ میں رکھ
گئے دنوں کے مقدر کی سلوٹیں نہ سنوار

نظر لگے نہ تری وسعتِ تخیل کو
خیالِ یار کے صدقے کوئی تو صدقہ اتار

خرد کو چاہیئے ہر چیز اک سلیقے سے
ہر ایک شے کی پراگندگی، جنوں کا وقار

جو سو گئی ہے مسرت اسے جگا کے نہ دیکھ
دبا ہوا ہے جو دل میں، وہ درد پھر نہ ابھار

نظر نظر کا تماشہ ہے خوب و زشت کا کھیل
خزاں کے ہونٹوں پہ فریاد ہے بہار بہار

نظر نے دی ہے دہائی شکستِ دل کی نسیمؔ
گئی ہے اور نہ جائے گی رائیگاں یہ پکار

۳۵

پروردۂ تخیلِ زندان و دار ہے
دل ہے کہ ہر فریب پہ جاں سے نثار ہے

آنسو ٹپک پڑے تو دلِ مُردہ جی اُٹھا
شبنم کی آگ وجہِ فروغِ بہار ہے

مانا کہ تیرے ہاتھ میں ہے اقتدار آج
لیکن اس اقتدار کا کیا اعتبار ہے

شانہ بہ شانہ وقت چلا ہے کسی کے ساتھ
تم کون ہو کہ تم کو یہی انتظار ہے

سونپا ہے جس نے آپ کو اپنے پہ اختیار
سارے جہاں سے بڑھ کے وہ بااختیار ہے

ان کے نقوشِ پا ہی تو منزل کی ہیں دلیل
ان کے نقوشِ پا ہی پہ دار و مدار ہے

ہے اُن کا ذکر سانس کے رشتے سے منسلک
اُن کے خیال ہی پہ مرا انحصار ہے

رہنے بھی دو نسیمؔ کی خوابیدگی کا حال
میں اس کو جانتا ہوں وہ شب زندہ دار ہے

۳۶

زمانہ کچھ بھی سہی تُو زمانہ ساز نہ بن
خدا کے واسطے محمود بن ایاز نہ بن

مری نظر، مرے ماحول کے نگینِ حسین
کھلی کھلی سی حقیقت ہے تُو تو راز نہ بن

ترے خیال سے وابستگی ہے رُوحوں کو
جو ہو سکے تو سحر بن، شبِ دراز نہ بن

رگوں کے خون کو لپکتا ہُوا سا گیت بنا
کسی کی لے نہ اُٹھا اور کسی کا ساز نہ بن

ہر اک محاذ پہ دیدہ وری کا رنگ دکھا
خود اپنے فکر و نظر کے لئے محاذ نہ بن

حقیقتوں کا مقدر ہے وسعتِ کونین
حدودِ ذہن میں آکر فقط مجاز نہ بن

نگوں رہیں تو سروں پر ہیں رفعتیں قرباں
نسیم خود کو سمجھ اور سرفراز نہ بن

۳۷

کہو تو خوب نہ کہہ پاؤ تو دُہائی نہیں
خموشیوں میں بھی ایسی کوئی بُرائی نہیں

فقیہِ شہر نہ سمجھا ہے اور نہ سمجھے گا
جو بات میں نے ابھی تک اسے بتائی نہیں

کسی کو ہو تو رہے اپنی ذات پر پندار
مرے وجود کی قیمت تو ایک رائی نہیں

بدل گیا ہے زمانہ مرے بدلنے سے
فقط زباں کو دل و رُوح تک رسائی نہیں

افق سے تا بہ افق ہیں دھوئیں کے مرغولے
یہ کیا ہے آگ کسی نے اگر لگائی نہیں

نسیم لمحہ بہ لمحہ وہ آرہے ہیں قریب
وہی تو اپنے ہیں جن سے کچھ آشنائی نہیں

(۳۸)

بات کرنے کا سلیقہ فقط الفاظ نہیں
خامشی سے بھی نکھر سکتا ہے اظہار کا رنگ

ہونٹ ہر طرح سے دیتے ہیں رفاقت کا ثبوت
اور آنکھوں میں جھلک اٹھتا ہے انکار کا رنگ

نہ سہی پاؤں میں زنجیر نہیں ہے نہ سہی
یہ بھی کیا کم ہے کہ سانسوں پہ ہے جھنکار کا رنگ

خود بھی دَب جائے گا تو مجھ کو دبانے والے
تیرے افکار میں بھی ہے مرے افکار کا رنگ

کون کہتا ہے کہ مجھکو ہے سویروں کی تلاش
صُبحِ پُر نور سے بہتر ہے شبِ تار کا رنگ

محفلِ عشق میں ہیں دار و رسن کے چرچے
اور ہر دار و رسن پر ہے ترے پیار کا رنگ

مَیں نے جو شمع جلائی ہے وہ جلتی ہی رہے
اور نکھرتا رہے گھر کے در و دیوار کا رنگ

جس نے روکا ہے مری سوچ کی راہوں کو نسیمؔ
اُس کی باتوں میں بھی ہے اَب مرے اشعار کا رنگ

(۳۹)

ہلتے ہوئے ہونٹوں سے سمجھ دل کا ارادہ
الفاظ میں اُلجھا نہ مجھے اور زیادہ

ہر شے سے ہے تسکین کا فقدان نمایاں
ہر بات نے اوڑھا ہے امنگوں کا لبادہ

تو اپنے کرم کو نہ بڑھا میری حدوں سے
ہو جائے نہ پھر مجھ سے خطاؤں کا اعادہ

رکھا ہے تبر شاخِ ثمردار پہ جس نے
باتوں سے وہ لگتا ہے بہت سادمرادہ

تُو نقشِ قدم دیکھ کے مصروفِ سفر رَہ
منزل ہے یہی اور یہی ہے ترا جادہ

میدان بدلنے سے بدل جاتے ہیں معیار
بڑھ جاتے ہیں یوں شہسواروں سے پیادہ

ہم ہیں کہ نسیمؔ اپنا تشخص نہیں ملتا
وہ ہیں کہ وہ معروف ہیں ہر اک سے زیادہ

۴۰

ہے ظرف جدا سب کا تو منزل بھی جدا ہے
تو بُت کا پجاری مرا معبود خدا ہے

دامانِ گل و لالہ میں ہے برقِ تجلّی
اس صحنِ گلستاں میں کوئی شُعلہ نوا ہے

پابند نہ کر مجھ کو کسی طرزِ بیاں کا
یہ سوچ کہ کس طرح مرا فکر ڈھلا ہے

الفاظ مری راہ میں دیوار نہیں ہیں
لے دیکھ کہ بے لفظ بھی پیغام چلا ہے

کہنے کی وہ کیا بات ہے جو کہ نہ کہہ سکوں میں
جو دل میں ہے میرے وہی ماتھے پہ لکھا ہے

حالات تو کہتے ہیں کہ ٹوٹ اور بکھر جا
میں سینہ سپر ہوں، یہ ترا حُسنِ عطا ہے

کب چاند ستارے نہ ہوئے گردِ رہِ شوق
کب تجھ سے ورے میں نے قدم تھام لیا ہے

ہر نُور چمکتا ہے سیاہی کی فضا میں
اب وقت ہے لا ہاتھ میں تیرے جو دیا ہے

یہ واہمۂ ذوقِ طلب کا ہے کرشمہ
ورنہ کوئی آیا ہے نسیمؔ اور نہ گیا ہے

(۴۱)

سمے سمے کی بات ہے لیکن سماں ہے کس کے ساتھ
ایک ذرہ سا رُک کر دیکھو چھُٹ جائے گا ہاتھ

بادل چھٹ کر ڈال گئے جھولی میں ایک دھنک
سورج ڈوب کے چھوڑ گیا ہے تاروں کی بارات

تیرے تاج و تخت سے بڑھ کر ہے میرا کشکول
تیرے دسترخوان کی منزل میرے تھال پرات

وقت پڑے تو میں تج دُوں تیری خاطر آرام
تجھ سے جب بھی ہو تُو دے دے مجھکو سب آفات

تو جیسا بھی اور جہاں بھی ہے بس چلتا رہ
لوگ جہاں بھی ہیں اُن سے مت پوچھ اُن کے حالات

کیا مجھ ایسے لوگوں کی بھی رہ جاتی ہے یاد
صدیوں میں ڈھل سکتے ہیں کیا میرے بھی دن رات

کہنے کو تو سب کہتے ہیں ہم ہیں تیرے ساتھ
ساتھ، نسیمؔ، مرا دیتی ہے صرف خدا کی ذات

(۴۲)

[illegible] کو دن کہ سکوں نہ رات کو رات
کتنی پادر ہوا ہے آپ کی بات

[illegible] رہا ہوں گلی گلی آواز
مانگتا ہوں خلوص کی خیرات

[illegible] گھنگھور ہو رہی ہے گھٹا
گھٹ رہی ہیں اسی قدر ظلمات

[illegible] اور زباں پر مہرِ سکوت
ہائے شہرِ صدا کی یہ سوغات

[illegible] سکونِ دل نہ لُٹا
بنتے بنتے بگڑ گئی ہے بات

[illegible] آپ کا بلند مقام
مجھ پہ کھُلتے لگی مری اوقات

[illegible] کو اب چھپا کے چلو
تم سے مانوس ہیں بہت آفات

کون اپنے کئے پہ پچھتائے
کون بدلے نسیمؔ کے حالات

۴۳

وہی مہتاب و نجوم اور وہی خاور نکلا
تیرا فردوس تو دیکھا ہُوا منظر نکلا

زہر تو پی تھی کہ ہم پلۂ سقراط بنوں
وائے افسوس کہ میں خود سے بھی کمتر نکلا

میں سُلگتے ہوئے ماحول میں خوش رہتا ہوں
جب سے احساس کا شعلہ مرے اندر نکلا

میں کہ اک قطرۂ شبنم سے بہل سکتا تھا
میری تقدیر میں لہروں کا سمندر نکلا

جس کے ماتھے پہ نظر آتی تھی تحریرِ شکست
وقت پر خوبیٔ قسمت کا سکندر نکلا

کون دیتا ترے صحراؤں کے کانٹوں کو خراج
اِس میں نکلا تو یہی بندۂ احقر نکلا

دَیر میں جاتے ہوئے بھی تو کمی کوئی نہ تھی
لیکن اُس گھر سے جو میں نکلا تو بہتر نکلا

منزلِ شوق کی ہر ایک رکاوٹ کو نسیم
میں تو انسان سمجھتا تھا وہ پتھر نکلا

۴۴

گلی گلی جل اُٹھے الاؤ، دھواں دھواں ہو گئیں فضائیں
کوئی بتائے سکونِ دل اور نظر کی ٹھنڈک کہاں سے لائیں

ہماری تدبیرِ جستجو کی بڑھا گئی راستے کی دُوری
سنا ہے ملتے ہیں وہ اُسی سے جسے صدا دے کے وہ بلائیں

مری حقیقت چھپا سکیں گے یہ میرے دیوار و در کہاں تک
خدا کرے پتھروں کے ملبے مری نگاہوں سے چھپ ہی جائیں

مرے تحمّل کی داد پا کر وہ گھورتے ہیں تو گھورنے دو
مجھے یقیں ہے اُنہیں کے سر پر سوار ہوں گی مری بلائیں

میں یوں بلاؤں تو میں سزاوار ہوں تمہاری ہر اک سزا کا
مگر مجھے تم معاف رکھنا اگر کبھی چھا گئیں گھٹائیں

نسیم دُنیا کے چل چلاؤ میں کون، کب تک، کہاں رہے گا
وہ پوچھتے ہیں پتہ تمہارا تمہیں بتاؤ کہ کیا بتائیں

گھر سے باہر بھی وہی گھر کا سماں ہوتا ہے
آنکھ بینا ہو تو پھر فرق کہاں ہوتا ہے

اَٹ گئے دھول سے راہوں کے شگفتہ منظر
کیا یہی شاہسواروں کا نشاں ہوتا ہے

ڈھلتے ڈھلتے ہی ڈھلے گی یہ ستاروں بھری رات
قافلہ شوق کا یونہی تو رواں ہوتا ہے

ٹوٹ جاتی ہے کوئی چیز بدن کے اندر
مجھ پہ جب بھی مرا ماحول گراں ہوتا ہے

عزمِ محکم کا ثبوت اُن سے طلب کرتے ہو
ہر قدم پر جنہیں منزل کا گماں ہوتا ہے

جو ہٹا پائیں نہ اک راہ کا پتھر بھی نسیم
اُن کی ہر سوچ کا انجام دھواں ہوتا ہے

بن کر بات بگڑ جائے تو پھر اُس کو سلجھائے کون
دستک دے کر لوٹنے والے تُو جو نہیں تو آئے کون

گلشن گلشن گھوم کے دیکھا تیری ہی بُو باس ملی
جس کے دل میں تُو نہ بسا ہو اُس کا دل بہلائے کون

توڑ کے ریزہ ریزہ کر دی میں نے اپنی جھوٹی دنیا
اَب بے در، بے گھر بیٹھا ہوں دنیا پھر سے بسائے کون

چاند سا چہرہ پھول سی رنگت کاہکشاں کا اُجلاپن
تجھ سے پیار تو مجبوری ہے تجھ کو چھوڑ کے جائے کون

لوگ پرانی رسمیں بھولے پتھر چھوڑ کے پھول اپنائے
دیوانوں کا وقت گیا اب دیوانہ کہلائے کون

میں جن جن راہوں سے گذرا میں نے جو جو چہرے دیکھے
کاش وہ سب میرے ہو جائیں لیکن واپس لائے کون

اپنے آپ میں گم لوگوں سے داد نسیم نہیں پاؤ گے
یہ تو خود سقراط بنے ہیں تم کو زہر پلائے کون

۴۷

اُن کی نگہِ کرم یہاں تک تھی
وسعتِ دشت، دو جہاں تک تھی

کس طرح ہو گیا ہوں میں رُسوا
بات تو میرے رازداں تک تھی

رُوح کو بھی وہ لے گئے ہمراہ
پیشکش جسم اور جاں تک تھی

ذہن و دل نے بھی کام چھوڑ دیا
روک، پابندیٔ زباں تک تھی

نالۂ عندلیب گونج اُٹھا
بوئے گل، صحنِ گلستاں تک تھی

بن گئی بات بات افسانہ
بات تو زیبِ داستاں تک تھی

مل گئی مفت میں حیاتِ بقا
آرزو مرگِ ناگہاں تک تھی

آپ ٹھکرا کے مطمئن تو ہوئے
یہ طلب شوخیٔ بیاں تک تھی

گر پڑے میکدے کی چوکھٹ پر
دوڑ اپنی تو بس یہاں تک تھی

تیرے سائے کو دیکھتا ہی رہا
یاد کی روشنی جہاں تک تھی

مَیں کسی کا خیال کیا رکھتا
مجھ کو اپنی خبر کہاں تک تھی

چھاؤں سے زندگی رہی محروم
دھوپ ہی دھوپ تھی جہاں تک تھی

خواہشِ منزلِ مراد نسیم
ہمتِ میرِ کارواں تک تھی

۴۸

لگی ہوئی ہے مے و میکدہ کی دل کو لگن
پلا پلا نگہِ ناز کی شرابِ کُہن

بس ایک جیسے ہر اک دَور میں ہیں جرم و سزا
وہی جنونِ محبت وہی ہیں دار و رَسن

ہر ایک پھول کی کانٹوں نے پرورش کی ہے
خزاں کی گود میں کھیلی ہے ہر بہارِ چمن

سکون مل نہیں سکتا سکوں تلاش نہ کر
یہی بہت ہے میسر ہیں تجھ کو رنج و محن

وہ طُور طُور نہیں ہے کہ تو کلیم نہیں
نہ گفتگو ہے کسی سے نہ برقِ صبر شکن

نسیم کھُل کے رہے گی یہ بات دُنیا پر
کہ آج کس کو محمدؐ کے دین کی ہے لگن

۴۹

اتنی جلدی تو نہ مچلتے　　رات ڈھلے گی ڈھلتے ڈھلتے

میں خوش بھی ہوں ناخوش بھی ہوں　　حال نہ پوچھو چلتے چلتے

یہ زُلفیں گھنگور گھٹائیں　　وہ بادل ہیں ہلکے ہلکے

ملتے ہیں جب ہونٹ گلابی　　مچ جاتے ہیں دل میں تہلکے

عشق نے پھر گستاخی کی ہے　　اُس رخسار پہ آنسو ڈھلکے

چاند کی ضَو ہے دھیمی دھیمی　　اُن کا ماتھا سورج جھلکے

ٹھنڈی میٹھی چھاؤں غم کی　　کیا یہ سائے ہیں بادل کے

بیت گئی ہے رات ہماری　　اُٹھ بیٹھو اَب آنکھیں مل کے

ہم بھی آج نسیمؔ پئیں گے
لیکن وہ جو آنکھ سے چھلکے

۵۰

ہیں اس دیوتا کے تو مٹی کے پاؤں اِسے میں سہارا سمجھتا رہا ہوں
جہاں ڈوب جانا مقدر ہے سب کا، اسی کو کنارا سمجھتا رہا ہوں

تِری ذات میرے تخیل سے بالا، ترا عرش میری رسائی سے باہر
جبھی تو درِ بتکدہ پر جبیں کو جھکانا گوارا سمجھتا رہا ہوں

یہ الزام کیا ہے کہ لمحہ بہ لمحہ مرے دل کی حالت بدلتی رہی ہے
ترے دیدۂ نیم وا کا بھری بزم میں ہر اشارہ سمجھتا رہا ہوں

یقیناً کوئی لوگ تو ایسے ہوں گے کہ آسودۂ منزلِ عشق ہیں وہ
میں ہر منزلِ عشق کو زندگی کے سفر کا سہارا سمجھتا رہا ہوں

محبّت سے جو آشنا ہی نہیں ہیں، جنہیں ذکرِ الفت سے اک بیر سا ہے
مِری سادگی دیکھئے گا، محبت پہ اُن کا اجارہ سمجھتا رہا ہوں

نسیمؔ اک ذرہ ٹھیس لگتے ہی آنکھوں سے پانی کی صورت بہا جا رہا ہے
میں اس دل کو دہکی ہوئی آتشِ عشق کا اِک شرارہ سمجھتا رہا ہوں

۵۱

ایک دُکھے دل کے نالے کو نغمہ کہنے والے ساجھی
پریت کی ریت سمجھتا ہے تو پریت میں دل الجھائے ساجھی
تو اب ان کو میری آنکھوں سے ٹپکا کر رول رہا ہے
یہ آنسو تو برسوں میں نے لاڈ سے دل میں پالے ساجھی
دیکھ افق پر جھلمل جھلمل کرتی ایک دلہن آئی ہے
دیکھ سویرا لایا ہے کیسے رنگین اجالے ساجھی
کیا میرا رکھوالا مجھ کو طوفانوں میں غرق کرے گا
ڈھور کی بھی رکھشا کرتے ہیں جب ان کے رکھوالے ساجھی
کس سے فریادیں اور شکوے کون آتا ہے دادرسی کو
جب چلمن کی اوٹ میں چھپ کر کوئی دل ہتھیا لے ساجھی
جس نے اپنے دل کی مانی ، دل کھویا اور جان گنوائی
اس نگری میں وہ بچتا ہے جو دل کو سمجھا لے ساجھی

۵۲

ٹوٹے ہوئے عہد و پیماں کے غمناک فسانے رہنے دو
جو ہونا تھا سو ہو کے رہا اب حیلے بہانے رہنے دو
آنکھوں کو شکایت کیوں ہو گی کس مُنہ سے کرے گا دل شکوہ
ہے دیدہ و دل میں تاب کہاں، پردوں کے بہانے رہنے دو
آؤ کہ ہم اب مل جُل کے نئی دُنیا کی نئی تعمیر کریں
گرتے ہوئے محلوں کی بیتی عظمت کے فسانے رہنے دو
یہ قصۂ لالہ و گل کب تک، اب تیغ و سناں کی بات کرو
یہ دار و رسن کی محفل ہے، جینے کے ترانے رہنے دو
ہر لمحہ بدلتی دُنیا کی تیکھی چتون کو پہچانو!
یہ جام و سبو، یہ ساغر و صہبا یہ پیمانے رہنے دو
اے اہلِ خرد یہ فہم و ذکا صد بار مبارک ہو تم کو
میں اور مرا دل دیوانے ہم کو دیوانے رہنے دو

یا تو خُم کے خُم پی جانے پر بھی مَیں باہوش رہا تھا
یا اَب ان کی ایک نظر سے بیخود ہو کر جھوم رہا ہوں
یا تو ماہ و انجم کی محفل سے بھی کترا کر گذرا
یا اَب خاک کے ذرے ذرے کو آنکھوں سے چوم رہا ہوں
یا تو منزل خود چل کر ان قدموں میں آجاتی تھی
یا اَب یہ حالت ہے اپنی صحرا صحرا گھوم رہا ہوں
یا تو اکثر تھام لیا کرتا تھا صبح و شام کی گردش
یا اَب صبح و شام کی زد میں آکر میں بھی گھوم رہا ہوں
یا تو رندانہ کیفیت میں بھی تھا اک سدِّ سکندر
یا اَب زُہد کا جامہ اوڑھے صحنِ حرم میں جھوم رہا ہوں
تبدیلی اور وہ بھی ایسی کون کہے کیا بات ہوئی ہے
رات گئی دن چڑھ آیا یا دن ڈوبا اور رات ہوئی ہے

۵۴

ہر بات عمل کے سانچے میں ڈھل کر بنی کتاب
یوں کر دیا ہے مَیں نے مرتب نیا نصاب
کچھ لوگ رہ نشیں ہیں رہِ انقلاب میں
کچھ لوگ اپنی ذات میں صد رشکِ انقلاب
وہ کم نظر ہے ذرّے ہیں جس کی نظر میں ہیچ
معیار ہے نگاہ کا ذرّوں کی آب و تاب
روشن ترے کرم سے ہوئے میرے رات دِن
تو میرا ماہتاب ہے تو میرا آفتاب

ارضِ سپین تجھ پہ کرم کی نگاہ ہے
پھر بارگاہ میں تری قسمت ہے باریاب
ہونے کو ہے ہجومِ رکوع و سجودِ شوق
لُٹنے لگی ہے کوثر و تسنیم کی شراب
گونجے گی پھر فضا میں صدائے احد احد
ہر "ازم" ہوگا اسمِ محمدؐ کا ہمرکاب
میزان بن رہا ہے خرد کی ترا سبق
تو نے کیا ہے رُوئے تشدّد کو بے نقاب
وا ہو رہا ہے پھر سے درِ خانۂ خُدا
کُھل جائے گا ترقیٔ امن و اماں کا باب
یومِ حساب آنے کو آتا رہے نسیمؔ
بہتر ہے تو خدا سے چُکا لے یہیں حساب

۵۵

اُفق سے تا بہ اُفق یوں تو فاصلے ہیں بہت
سمٹ رہی ہے زمیں تو بدل گئی ہے بات
مسافتوں کے سلیقہ میں انقلاب آیا
نہ دن طویل رہا اور نہ ہے بھیانک رات
کسی نے رختِ سفر شرق سے جو باندھا ہے
تو غرب تک اسے درکار چند ہی لمحات
یہ کیوں ہے کیا کبھی سوچا ہے اور سمجھا ہے
ہیں کس یقین کے ہمرنگ سارے امکانات

یہ وقت، وقت ہے اسلام کی اشاعت کا
خدا کے فضل برستے ہیں صورتِ برسات

ہجومِ راہروانِ رہِ سلوک کے دن
نیاز و ناز کی ابہام سے معرّیٰ بات

جو سر بکف ہیں کہ امن و اماں کا دَور آئے
جو وقفِ دینِ محمدؐ رہیں گے تا بہ حیات

وہ پاسبانِ حرم بن کے آرہے ہیں یہاں
اُنہیں کے جذبِ دَروں نے بدل دیئے حالات

دُعائے صُبح و مسا اور فغانِ نیم شبی
یہی ہے شغل یہی بات شاملِ عادات

نسیمؔ قلب و نظر فرشِ رہ کئے رکھو
"خوش آمدید" ہے اہلِ خلوص کی سوغات

---

(۵۶)

ہم سلسلۂ رشد و ہدایت کے امیں ہیں
ہم عالمِ امکان کی تزئینِ جبیں ہیں

کی فرش سے تا عرش ہر اک چیز مسخّر
ہم اہلِ فلک، اہلِ خلاء، اہلِ زمیں ہیں

ہم سازِ ازل کے لئے مضراب کی مانند
ہم غلغلۂ روزِ ابد ہی تو نہیں ہیں

ہم وقت کے دھارے کی رَوش موڑ کے رکھدیں
مٹ جائے ہر اک فاصلہ جن سے وہ ہمیں ہیں

هم قافلہ و قافلہ سالار ہیں اک جان
ہم شوق سے سب ہمسفرِ ناصرِ دیں ہیں
جذبات پنپتے ہیں بہر رنگ و بہر نوع
نم جس میں ہے، دل اپنے اک ایسی ہی زمیں ہیں
افکار کی تقدیس کا رکھیں گے بھرم ہم
اظہار کے ناطے سے یہ اک حصۂ دیں ہیں
ظاہر میں تو صدیوں سے بہت دُور ہیں لیکن
اے ارضِ سپین آج بھی ہم تیرے مکیں ہیں
آزاد ضمیری کی نسیم اُن کو خبر کیا
جو لوگ محمدؐ کی غلامی میں نہیں ہیں

آپ پر رحمتیں — آپ پر ہوں سلام

میرے ماتھے پہ چاند اور تارے سجے
میرے دل میں بہاروں نے انگڑائی لی
میرے ہونٹوں پہ نغموں کی رُوحِ رواں
ہو گئی پرفشاں
جیسے ابرِ کرم کی حسیں بدلیاں
دلکش و دلپسند
اور مسرّت کی افراط سے ارجمند
ہر طرف لالہ و گل کی رنگینیاں
اور ہر سمت بوئے محبّت کی بادِ صبا
جس نے روحوں کی دُنیا کو مہکا دیا

ہر دل بے ریا
مہبطِ نور ہی بن گیا
طُور ہی بن گیا
آپ آئے تو رونق کے قلب ونظر
جاگ کر
اپنی رعنائیوں میں نکھرنے لگے
زندگی کے نقوش اور بھی
دُھل دُھلا کر سنورنے لگے
رات کی ظلمتیں
دن کے انوار پر
خوبروئی کے تابندہ کردار پر
جان و دل سے فدا ہو گئیں
لیکن اتنی سی تو بات ہرگز نہیں
دن کی روشن ضمیری کے چرچے ہوئے
اور ضیاء کی تھرکتی ہوئی ہر کرن
اپنے دل میں لئے
سینکڑوں سورجوں کی جھلکتی پھبن

ہر نظر ہیں لگی تیرنے
جس کو دیکھا ہے اپنوں نے بھی
اور ہر غیر نے
ایک عالم نے دیکھا، سُنا اور سمجھتے ہوئے
آپ کے زندگی بخش پیغام کو
یعنی اسُلام کو
دل کی گہرائیوں میں اتارا تو ہے
اک نئے نقش کو یوں ابھارا تو ہے
اپنے اپنے مسائل کی بھرمار میں
زندگی کے حوادث کی یلغار میں
چونک اُٹھے
جس طرح ان کے شانے جھنجھوڑے گئے
خواب ۔ عفریت ڈستے ہوئے خواب کے
تار توڑے گئے
آپ پر رحمتیں
آپ پر ہوں سلام
آپ سے جگمگانے لگا زندگی کا پیام

آپ کا لمحہ لمحہ ابد تک چلے
آپ کی گود میں
سطوت و عظمت و شان اِس قوم کی
اَن گنت شفقتوں کے تلے
دمبدم، تازہ دم، اور پُھولے پَھلے
آپ پر رحمتیں
آپ پر ہوں سَلام
نصرتِ دین کی اِک علامت بنا
آپ کا حسن نام اور درخشندہ کام
اے مرے راہبر
باوقار اور ذی احتشام
السّلام - السّلام - السّلام

دبیز پردے

مری نگاہوں کے سامنے کچھ دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں
مری طرف ان دبیز پردوں پہ جیسے موتی جڑے ہوئے ہیں
حسین گلکاریوں کے منظر
بہار اندر بہار گلشن
رَوِش رَوِش میں قدم قدم پر
نگارِ نکہت کا شوخ دامن
کہیں پہ جلوہ
کہیں پہ چلمن

کچھ آبشاریں کہ جن میں تسکینِ دل نے
لہروں کا روپ دھارا
صبا کے جھونکے
کہ جیسے تم نے مجھے پکارا
جمیل پر تتلیوں کے منظر
کہ جیسے معصوم سے فرشتوں نے
کھول رکھے ہوں اپنے شہپر
کنارِ آبِ رواں سکونِ نگاہ و قلبِ جواں فراواں
خیال کی وسعتوں میں جولاں
ہر ایک شے رشکِ صد بہاراں
مگر
مری نگاہیں
دبیز پردوں کی دوسری سمت کیسے دیکھیں
کسے خبر ہے کہ دوسری سمت
کیسے منظر ہیں
ہیں کیسے خورشید و ماہ و انجم
لجا رہی ہیں فلک پہ بے پردہ کہکشائیں

کہ ان کے ملبوس ہیں حریری
کرن کرن سے جو جگمگائیں
کہیں ہر اک چیز پر دھندلکے
نہ رہ گئے ہوں وہاں مچل کے
یہ کون جانے
دبیز پردوں کی دوسری سمت
وہ فضا ہو
کہ خوف سے جان بھی ہَوا ہو
مرے خدایا
تری عنایات کا ہے سایہ
دبیز پردوں نے مجھ کو کل کی
ہر ایک کلفت کے ہر تصوّر سے ہے بچایا
——— مرے خدایا

فیکٹری

شہر سے کچھ فاصلے پر ایک دھندلا سا غبار

زندگی کی راحتوں کا یاس آلودہ مزار

ماتمی سی تیرہ و تاریک افسردہ فضا

دودِ آہِ بیکسی افلاسِ تخئیلِ ضیاء

لمحے لمحے پر فنا اپنا کفن ڈھانپے ہوئے

رہروانِ منزلِ ہستی ہیں یاں ہانپے ہوئے

کس قدر مدہم ہے اس ماحول میں نبضِ حیات

کیا ہوا کیوں مٹ نہیں جاتا نظامِ کائنات

رونقِ شام شفق پرور کا دامن تار تار

کانپ اٹھتا ہے سحر کا شبنمی حسن و نکھار

چاند کی میٹھی خنک کرنیں زمیں سے دور دور

جستجوئے مسکنِ نو کی پریشانی میں چور

بھاپ کی بیتاب سانسوں میں امنگوں کا لہو

بادلوں کے دوش پر لرزاں نگاہِ آرزو

نغمۂ فطرت کی ہر اک لَے ہے تھرّائی ہوئی

یاس کی اک چھاؤنی سی ہے یہاں چھائی ہوئی

صبحدم اک پھڑپھڑاتی سی صدائے بے سکوں

نیند کی خاموشیوں کا توڑ دیتی ہے فسوں

شہر میں لیتی ہے ویرانوں سے آکر یہ پناہ

ہائے یہ کم ظرفیٔ انسان کا رنگیں گناہ

مادرِ غربت کے پالے ننھے ننھے نونہال

بیکسی جنکی جبیں پر دل میں ہے فکرِ مآل

زندگی کی الجھنوں میں شوخ فطرت کو دبائے

کارخانے کی طرف جاتے ہیں اپنے سر جھکائے

ناز سے پالی ہوئی افلاس کی زہرہ وشیں

جن کے پائے عصمت و عفت پہ حوریں بھی جھکیں

ہستیٔ بیکار کی اس کشمکش کے درمیاں

کس قدر مجبور ہیں ان کی کھنکتی چوڑیاں

کاوشِ پیہم نصیبِ صنفِ نازک الاماں

کاش اُڑ جائیں زمین و آسماں کی دھجیاں

شرم کر اے گردشِ ایام کچھ تو شرم کر
اپنی فطرت کے تقاضوں کو ذرا تو نرم کر

تیرے صبح و شام اس سانچے میں ڈھلتے ہیں تو حیف
تیرے سینے میں یہی ارماں مچلتے ہیں تو حیف

تو شناسائے غمِ محرومیٔ دل کیوں نہیں
تیری فطرت رازدارِ سوزِ محفل کیوں نہیں

کیا تجھے حاصل نہیں ہے اک نگاہِ امتیاز
کیا نہیں بخشا گیا دل کو ترے کیفِ گداز

ہاں مگر اے گردشِ ایام تجھ سے کیا گِلہ
خود بشر نے کھو دیا ہے آدمی کا مرتبہ

اک طرف مزدور ہے اور اک طرف سرمایہ دار
بن گئی یہ حدِ فاصل آدمیت کا مزار

اے کہ دُنیا میں لقب ہے تیرا مزدورِ حقیر
اے کہ تیری زندگی ہے کارخانوں کی اسیر

اے کہ تیرے دم سے ہیں آباد انساں کُش مقام
اے کہ تیری بے حسی وجہِ جمودِ انتظام

تجھ میں احساسِ تقاضائے بقا باقی نہیں
نوعِ انساں کے لئے تجھ میں وفا باقی نہیں

اُٹھ کہ رازِ زندگی مستور ہے زیرِ حجاب
منتظر ہیں تیری اک آواز کے سو انقلاب

نوچ ڈال اب اس بھیانک سے مسلسل خواب کو
اُٹھ بدل دے انتظامِ عالمِ اسباب کو

توڑ دے انساں کی ہر خود ساختہ حد توڑ دے
چھوڑ دے پابندیٔ رسمِ کہن کو چھوڑ دے

چاند کے ہر اک رگ و ریشہ میں دوڑا دے لہُو
ہر ستارے میں بپا کر غلغلۂ ہاؤ ہُو

اپنی آنکھوں کو لڑا دے مہر عالمتاب سے
ذرّہ ذرّہ کو بڑھا دے گوہر نایاب سے

چپّے چپّے پر رواں کر ندّیاں فردوس وار
قطرے قطرے سے عیاں کر زندگی کے آبشار

بے ثباتی کی نگاہوں میں جھلک اُٹھے ثبات
موت کی دشواریوں سے چھین لے عیشِ حیات

(۱۹۴۱ء)

خلش

مجھے تم سے الفت تو ہرگز نہیں ہے
جدائی بھی لیکن نہیں ہے گوارا
مجھے تم سے رغبت تو ہرگز نہیں ہے
تمہی ہو مگر زندگی کا سہارا

ہر اک شام اپنوں میں ہوتی ہوں لیکن
وہ اپنے کہ جن پر فدا ہیں دل وجاں
لہو دیدۂ تر سے روتی ہوں لیکن
میسر نہیں مجھ کو تسکیں کے ساماں

ستاروں پہ دل رشک کھاتا ہے اکثر
تمہیں دیکھتی ہونگی اُن کی نگاہیں
کلیجہ مرا مُنہ کو آتا ہے اکثر
تصوّر میں اُٹھ اُٹھ کے گرتی ہیں بانہیں

مجھے جن سے ہے عشق والفت کا دعویٰ
بہت بڑھ کے تم سے اگرچہ حسیں ہیں
مگر بختِ بد سے ہے مجھ کو یہ شکوہ
کہ افسوس تم جیسے وہ کیوں نہیں ہیں

تمہاری ہر اک بات میں اک ادا ہے
تمہاری طبیعت ہے موزوں کچھ ایسی
تمہارا ہر اک کام سنورا ہُوا ہے
مسرت کے حامل ہیں رنج اور غم بھی

تمہاری چمکتی ہوئی چشم گویا
محبت کا پُرکیف پیغام بن کر
تصوّر میں ہوتی ہے یوں جلوہ فرما
تھرکتے ہوں جیسے ستارے فلک پر

کئی بار چلمن کو ہمراز کر کے
بصد شوقِ دیدار جھانکا ہے مَیں نے
پپیہے کو اپنا ہم آواز کر کے
ہر اک شے سے چھُپ کر پکارا ہے مَیں نے

مانا مجھے تم سے الفت نہیں ہے
تمہیں سے ہے وابستہ اب راحتِ دل
تمہاری نگاہوں کو چاہت نہیں ہے
تمہیں ہو مری جستجوؤں کا حاصل

(سنہ ۱۹۴۱ء)

دوشیزگی

دُور کچھ فاصلے پہ کھیتوں میں — ایک عفت مآب. دوشیزہ
ہے کٹائی میں فصل کی مصروف — دہر کی تلخیوں سے بے پروا

اس کے ہونٹوں پہ ہلکے ہلکے گیت — رقص کرتے ہوئے سے آتے ہیں
زندگی کے سیاہ دھبوں کو — خوبصورت بنائے جاتے ہیں

آسمانوں سے ہے بلند نظر — دل کے شعلوں میں ہے تپش ایسی
انکھڑیوں میں ہے کہکشاں کی چمک — اور سینے میں چاندنی سی بھری

اپنے مستقبلِ حسیں کے لئے — اپنی آنکھیں بچھائے جاتی ہے
زندگی آرزو بداماں ہے — کچھ دئیے سے جلائے جاتی ہے

ہے تصور میں اک حسین جواں — اس قدر بَل ہے جس کے بازو میں
گاؤں والوں پہ رُعب ساطاری — ایک ہیبت ہے اس کی ہر خُو میں

میٹھے میٹھے سے گیت میں شاید — اس جواں کی طلب کا ہے اظہار
گو محبت سے آشنا بھی نہیں — ہے محبت پہ زندگی کا مدار

(۱۹۴۲ء)

ماضی ــــ!

اِدھر آؤ اک راگ تم کو سناؤں

دھندلکوں میں رقصیدہ ماضی کی باتیں
تبسم سے بھرپور، پُرکیف راتیں
ہم آہنگیٔ حُسن و وحشت کا قصّہ
جوانی کے بل پر محبّت کی گھاتیں

…ہوا اور تھی افشاں پہ تاروں کی دنیا
…وں پہ تھا اک قہقہہ نقرئی سا
…راگ میں ہیں وہ لمحے مقیّد
…جب تم پہ نازاں شباب حسیں تھا

جھگڑتی تھی جب زلفِ برہم گھٹا سے
نوشتے بدلتے تھے جب ہر ادا سے
مۓ زندگانی کے رنگین ساغر
برستے تھے جب انکھڑیوں کی حیا سے

…اک سانس کی گود میں تھے ترانے
…یاد ہیں آج تک وہ زمانے
…ے پیہم اصرار سے تنگ آ کر
…تمہارے وہ رنگین حیلے بہانے

ادھر آؤ اک راگ تم کو سناؤں

(۱۹۴۲ء)

اجمل پارک میں ایک شام

تمنا جواں تھی ارادہ حسیں تھا — نگاہوں میں رقصاں بہشت بریں تھا

فضاؤں میں لرزتے تھے کچھ شوخ نغمے — کہ تھے ترجماں عشرتِ زندگی کے

فلک پر ستارے حریفِ چراغاں — زمیں پر حسینوں کی پُر کیف افشاں

رواں پگھلی پگھلی سی چاندی کا دریا — کہ تھا جس کی موجوں میں طوفان برپا

ہر آواز تھی بربط و چنگ کی لے — تھی محوِ سماعت زمانے کی ہر شے

مری ہمنشیں تھی کوئی ماہ پارہ — تمنا کی بیباکیوں کا سہارا

تبسم سے جس کے فضائیں جواں تھیں — ہواؤں میں جادو کی لہریں رواں تھیں

وہ شانوں پہ بکھری ہوئی زلفِ پُر خم — محبّت کی جولانیوں کا سا عالم

جبیں پر نمایاں غرورِ جوانی — نگاہوں میں صُبحیں سہانی سہانی

ہر اک سانس پُر جوش نغموں کا دھارا — محبت کی آتش کا دہکا شرارہ

گہے خامشی جس پہ تقریر قرباں — وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ عہد و پیماں

گہے جوشِ الفت کا اظہار کرنا — زباں سے محبت کا اقرار کرنا

وہ میرا یہ کہنا تمہیں زندگی ہو — جنوں کے لئے وجہ دلبستگی ہو

تمہیں سے ہے وابستہ اَب زندگانی — تمہیں ہو مرا حاصل نوجوانی

وہ اس کا یہ سُن کر ذرا جھینپ جانا — نگاہوں کو نیچی کئے مسکرانا

کھنچی ہے اس عالم کی تصویر دل میں

ابھی تک ہے پیوست اک تیر دل میں

(۱۹۴۲ء)

وہ لمحاتِ رفتہ کہ جن کو جنوں کی متاعِ جوانی کہیں تو بجا ہے

کتابِ محبت کی جنت بداماں و زریں کہانی کہیں تو بجا ہے

ہر اک لمحہ کو ہم اگر جرعۂ بادۂ ارغوانی کہیں تو بجا ہے

وہ ان شوخ لمحوں کا دم توڑ دینا تمہاری نگاہوں کی پژمردگی [illegible]

سحر کے ستاروں کا ہنگامِ رخصت پیامِ جنوں صبح کی تازگی [illegible]

کہیں لوٹ کر پھر نہ آجائے اے کاش وقتِ وداعی مری زندگی [illegible]

دھڑکتے ہوئے سے دلوں کے سہارے وہ تجدیدِ عشق و محبت کے پیماں

وہ بہکی ہوئی سی نگاہوں میں تسکین پرور پیامِ تسلی نمایاں

مگر پھر بھی ہر اک ادا سے جوانی کی رنگین رعنائیاں تھیں گریزاں

وہ اترے سے چہرے کی بے رونقی میں تلاطم تھا بے چینی و کشمکش کا

فضاؤں میں رقصاں تھا مستقبلِ تیرہ و تار کا ایک پُر خوف نقشہ

بیاں ہو سکے گی نہ ہنگامِ رخصت کی مجھ سے وہ کیفیتِ روح فرسا

وہ وقتِ وداعی کا ناساز منظر ابھی تک نگاہوں میں تھرا رہا ہے

(۱۹۴۳ء)

دوامِ حسن

تمہارے ماتھے کی ہر کرن پر نثار رنگِ جناں رہے گا

تمہارے ہونٹوں پہ صورتِ گل حسیں تبسم عیاں رہے گا

قسم ہے مجھ کو تمہاری چنری کا لہلہاتا ہوا سا آنچل

مری ترستی ہوئی نگاہوں کا عمر بھر راز داں رہے گا

وہ مدھ بھری انکھڑیوں کے ناوک وہ تھرتھراتی سی التجائیں

خموشیوں کے حسین دامن میں دل سے نکلی ہوئی دعائیں

مرے تصور میں بس رہی ہیں وہ بہکی بہکی جوان راتیں

وہ ہر ادا میں وفا کے پیماں وہ ہر وفا میں کئی جفائیں

ابھی نگاہوں کے سامنے کچھ سنہری شامیں چمک رہی ہیں

مری جوانی کی ساری صبحیں وفا کی لو سے مہک رہی ہیں

کبھی جو بیباک ہو کے الجھی تھیں گیسوؤں کی درازیوں سے

میں دیکھتا ہوں وہ انگلیاں اب عجیب طرح دمک رہی ہیں

نقوشِ الفت جو میں نے پہلے پہل بٹھائے تھے اپنے دل
تمہارے عارض کی طرح اب بھی چمک رہے ہیں وہ شوخ گو
میں جس قدر سوچتا ہوں اپنے حسین ماضی کی روشنی
ہوئے چلے جا رہے ہیں لحظہ بہ لحظہ وہ اور بھی اُجاگ

مرے ہر اک شعر میں تمہاری وفا کا پیمان ڈھل رہا ہے
مری ہر اک نظم کی فضا میں تمہارا جوبن مچل رہا ہے
مرے ہر اک لمحۂ جنوں پر تمہاری بیباکیاں ہیں طاری
مری فنا کا حسین نوشتہ برنگِ احسن بدل رہا ہے

اگر یہ سچ ہے کہ میری طبع رواں ہمیشہ رواں رہے گ
اگر یہ سچ ہے کہ میرے عہدِ جنوں کی اک داستاں رہے گ
اگر یہ سچ ہے کہ میری ہستی ادب میں پائندہ ہو چکی ہ
اگر یہ سچ ہے کہ میرے شعر و سخن کی دُنیا جواں رہے گ

مجھے یقیں ہے تمہارا حسن جواں ہمیشہ جواں رہے گا

(۱۹۴۳ء)

میرے خواب

مَیں نے دیکھی ہے دھندلکے میں چمکتی سی لکیر

اُس کی مخمور نگاہوں کے جلو میں اکثر
جاگ اُٹھتے ہیں مری شوخ محبت کے شرار
لہلہاتے ہوئے آنچل کا سہارا لے کر
مسکرا دیتا ہے تاروں کی جوانی کا نکھار

لہلہاتے ہوئے گلرنگ سے ہونٹوں پہ ندیم
تھرتھراتے ہیں مرے عشق کے نغماتِ جواں
اور ہوتا ہے فضاؤں میں ترنّم تقسیم
دیکھ لیتی ہے ذرا مڑ کے مری عمرِ رواں

میں نے دیکھے ہیں فضاؤں میں کھنکتے ہوئے جام
جن کا ہر جرعۂ پر کیف ہے تقدیرِ جنوں
جن سے ہوتے ہیں شبِ ماہ میں دل پر الہام
قہقہوں سے جو بدل دیتے ہیں افکارِ زبوں

کاش یہ میرے درخشندہ و تابندہ سے خواب
چاندنی رات کسی لمحہ حقیقت بن جائیں
یک بیک بول اُٹھے اس کی شگفتہ تصویر

(۱۹۴۳ء)

التجا —!

میری آنکھوں سے یہ بہتا ہُوا سیلاب نہ روک

شامِ غربت کی اداسی کی قسم ہے تجھ کو
آج کی شام فقط آج کی اجڑی ہوئی شام
زندگی میری بھٹکتی ہے بھٹک جانے دے
دل کو تسکینِ محبت کا نہ دے اب پیغام

میرے ناسور کو ہنستے ہوئے نشتر سے نہ چھیڑ
ایک محرومِ تمنا پہ کرم کیا معنی ؟
میری پامال اُمیدوں سے تجھے کیا مطلب ؟
تیری آنکھوں میں ہو اندیشۂ غم کیا معنی ؟

شب کی تاریک سی پُر ہول فضا میں اکثر
قصّۂ درد ستاروں کو سُنا لیتا ہوں
اور خاموشئ فطرت کا سہارا لے کر
اپنے بیتے ہوئے ایام کو پالیتا ہوں

آج آنسو ہیں کہ اُمڈے ہی چلے آتے ہیں
میری نظروں سے ہے اوجھل مِرا انجامِ جنوں
محل کے میری تمناؤں کے سنسان ہیں آج
کبھی آباد تھے تجھ سے، یہ مگر کیسے کہوں

پھر وہ دزدیدہ نگاہوں کا فسوں یاد نہ کر
میری پژمردہ امنگوں کو نہ اب پھر سے ابھار
پھر عطا کر نہ مجھے ذوقِ طلب کی دولت
میری برباد و تبہ حال سی دُنیا نہ سنوار

آج کی شام فقط آج کی اُجڑی ہوئی شام
میری آنکھوں سے یہ بہتا ہُوا سیلاب نہ روک

(۱۹۴۳ء)

دِئے ——!

اس قدر دُور کہ رنگین اُفق سے بھی پرے
ایک بے کیف دھندلکے میں چمکتے سے نشاں
جس طرح غمزدہ ویرانیٔ صحرا میں کہیں
راہرو مٹتے ہوئے نقشِ قدم چھوڑ کے جائے
اور سینے سے لگا رکھے انہیں فرشِ زمیں

آخرِ کار یہ بجھتے ہوئے دھندلے سے دئے
بادِ صرصر ہی کے آغوش میں سو جاتے ہیں
پھیل جاتی ہے فضاؤں میں سیاہی غم کی
اور ماحول میں کچھ دائرے منڈلاتے ہیں

میرے پہلو میں ہیں رِستے ہوئے کہنہ ناسور
میری آنکھوں میں ہے اُجڑے ہوئے محلوں کا سماں
خود پریشاں ہوں تو ہر چیز پریشان سی ہے
ذرہ ذرہ کے جگر میں ہے خلش سی پنہاں

شب کو ہنستی ہیں ستاروں کی نگاہیں مجھ پر
[illegible] ہو جاتی ہے دھڑکن دلِ آوارہ کی
اجنبی لگتی ہے ہر چیز تصور کے قریں
سرخ ڈورے سے دہک اُٹھتے ہیں آنکھوں میں مری

روشنی اَب بھی ہے ظلمات کے دل میں محکم
سوچتا ہوں کہ یہی راہبرِ منزل ہے
سوچتا ہوں کہ یہ منزل تو نہیں ہے میری
سوچتا ہوں کہ یہ شائد مرا داغِ دل ہے

آؤ اَب مجھ سے مرا ذوقِ نظر چھین بھی لو
آؤ آؤ یہ امیدوں کے دئے گل کر دو

(۱۹۴۳ء)

ملال

نہیں نہیں کہ میں جینے سے کچھ گریزاں ہوں
نہیں نہیں مجھے مرنے کی آرزو تو نہیں
نہیں نہیں کہ مصائب سے مجتنب ہوں میں
نہیں نہیں مجھے عشرت کی جستجو تو نہیں

ہر ایک لمحۂ ہستی جگر فگار ہے اب
ہر ایک سانس ہے سیال آگ کا دھارا
مری نگاہ میں سارا جہان ویراں ہے
ہے محوِ بین و بُکا میرے دل کا اکتارا

ترے حسین کرم کو ہُوا ہے کیا آخر
تجھے اب اپنی بڑائی کا بھی خیال نہیں
تو، اور میرے جنوں سے ہو بے نیاز اتنا
تری نگاہ میں شائد مرا مآل نہیں

ہوئی نہ تجھ کو کبھی میری آگہی اے دوست
یہی ہے مجھ کو ملال اور کچھ ملال نہیں

(۱۹۴۳ء)

کھنڈر

اُف یہ مجبور سی مختاریٔ ہستی ، یعنی
جی نہیں سکتا مگر پھر بھی جئیے جاتا ہوں
کبھی مفرورِ خرد اور کبھی بیزارِ جنوں
دامنِ زیست بہر رنگ سیئے جاتا ہوں

نگہِ شوق ہے اُمید کی ٹوٹی سی لحد
اک خلا سا ہے مرے سامنے تا حدِ نظر
کچھ نہیں کچھ بھی نہیں وہم کے سائے ہونگے
دیکھتا کیا ہے دھندلکوں میں مرا دیدۂ تر

دل کے تاریک سے گوشے میں کہیں پر شائد
تیری بے لوث محبت کے نشاں باقی ہیں
جاگ اٹھتی ہے مری روح بدن میں اب بھی
میرے ادراک میں کچھ سود و زیاں باقی ہیں

کون سمجھے مری مبہم سی پریشانی کو
میری تخئیل کی ہیبت زدہ ویرانی کو

(۱۹۴۳ء)

حادثہ

کل اپنی گلی کے کونے پر — ناگاہ مجھے آئی وہ نظر
ڈھلکا سا دوپٹہ اڑتا تھا — زلفیں بکھری تھیں شانوں پر

ہونٹوں پہ تبسم کا عالم — آنکھوں میں حیا کی بجلی سی
رنگین جلو میں جلوے تھے — ہر جلوے میں تھی اک شوخی

ناگاہ پڑیں اس کی نظریں — میری مسرور نگاہوں پر
کچھ جھینپ گئی کچھ شرمائی — اور "اوئی" کہا کچھ گھبرا کر

الٹے پاؤں وہ لوٹ گئی — پر لوٹتے لوٹتے ایسا ہوا
ہلکی سی ٹھوکر کھا کے گری — اور جھینپ کے مجھکو دیکھ لیا

(۱۹۴۳ء)

شکست

بصد توقیر مہتابِ جواں نے — کنارِ آب چاندی سی بچھائی
عقیدت کے لئے بیتاب ہو کر — ستاروں نے مری دھڑکن چرائی
اچھلتی کودتی موجوں کے دل میں — تمناؤں نے اک دنیا بسائی
رہی بیدار ہر معصوم کونپل — نہ آنکھ اک لمحہ بھر کو بھی لگائی
اگل کر اپنی آنکھوں سے شرارے — ہر اک ذرے نے کی مجھ سے لڑائی
مری رنگیں جوانی کے سہارے — فضائے وقت کی اک تان اڑائی

یہ سب کچھ تھا ترے وعدے کی خاطر
مگر تو نے نہ آنا تھا نہ آئی

(۱۹۴۴ء)

شبابِ جمال

آئینۂ ہستی میں مچلتی ہوئی فطرت
تقدیر سے لڑتی ہوئی بیباک

رعنائی فردوس ہے چشمِ مہ و خور میں
افسانۂ عشرت ہے ستاروں ک

اک پھول میں سمٹی ہوئی گلشن کی بہاریں
اک موج کے شانوں پہ ہے دریا

سنولائی ہوئی شام کا افسانۂ الفت
بھیگی ہوئی برسات کی رنگین

ہر سانس کے آغوش میں مدہوش ترانے
ہر تارِ نظر حاملِ صد صورت

دزدیدہ نگاہوں میں فرشتوں کا تبسم
بہکے ہوئے ہر گام پہ انوار

رنگینیٔ تخئیل و تصور کا سہارا
ہر بزم میں ہے باعثِ تخئی

اے کاش یہ جلوہ مری آنکھوں میں سمٹ آئے
پہلو میں سما جائے یہ فردوسِ جوانی

(۱۹۴۴ء)

نقشِ فانی

سنولائی ہوئی شام کے اُس پار اُفق پر
رقصاں ہیں کسی شوخ کی آنکھوں کے اشارے

دستِ حنائی کی مچلتی ہوئی جنبش
جس طرح فلک پر ہوں رواں سونے کے دھارے

بکھرے ہوئے بالوں کے ہیں لہراتے ہوئے خم
آپس میں اُلجھتے سے درخشندہ ستارے

اوڑھے ہیں یا دھندلے سے انوار کی دُنیا
مہتاب نے انگڑائی لی بندی کے سہارے

کہ ہوتے ہیں اس طرح سے دو ہونٹ نمایاں
جس طرح کہ گاتی ہوئی ندی کے کنارے

بنتے ہیں کبھی اور کبھی مٹتے ہیں یہ خاکے
جس طرح کوئی ریت پہ کچھ نقش ابھارے

پل بھر جو بصد زعم اُجاگر رہیں لیکن
پھر وقت مٹا دے انہیں طوفاں کے سہارے

(۱۹۴۴ء)

اندیشہ

تم کہیں بھول نہ جاؤ مرے لمحاتِ جنوں

میری بیتابیٔ الفت کی امیں سرمئی شا[م]

جس کے ڈھلتے ہوئے سائے کی سنہری زلفی[ں]

آج بھی میرے تصوّر میں ہیں یوں محوِ خرا[م]

جیسے تنویر کی مچلی ہوئی بیباک تہی[ں]

دل کے ایواں میں جھلکتے ہوئے مدہم سے چراغ

اور نگاہوں میں ترنّم کے ابلتے دھارے

میرے آنسو مری حسرت کے چمکتے سے ایاغ

میرے اشعار جوانی کے حسیں انگارے

مخملی بانہوں میں الجھی ہوئی بیباک اُمنگ

ہائے دزدیدہ نگاہوں کا وہ زرکار فریب

اور سر میں وہ خمارِ مئے تہذیبِ فرنگ

جیسے لٹ جائے کہیں راہروِ راہِ شکیب

میرے بیکار سے گزرے ہوئے ایّامِ زبوں

آج بھی وقت نے سینے سے لگا رکھے ہیں

ٹوٹ جائیں نہ مگر اب یہ طلسمات و فسوں

تم کہیں بھول نہ جاؤ مرے لمحاتِ جنوں

(۱۹۴۴ء)

یادِ وطن

پھر مجھے پردیس میں اپنا وطن یاد آگیا
نوجوانی کی امیدوں کا چمن یاد آگیا
بولتے منظر نگہ کے سامنے لہرا گئے
زندگی کے چند لمحے ذہن و دل پر چھا گئے
وعدہ و پیمانِ الفت کی وہ اک شامِ حسیں
دشمنِ غم عشرتِ عہدِ جوانی کی امیں
میری بانہوں پر کسی کے گیسوئے عنبر فشار
میری آنکھوں میں لرزتا سا وہ پاکیزہ خمار
فطرتِ مدہوش کے پُرکیف نغموں کا ہجوم
وہ نوازش ہائے پیہم لطفِ ہستی بالعموم
راحتِ ہر دو جہاں تھی میرے دل کی کائنات
ہر نفس تھا درحقیقت ایک پیغامِ حیات

طور تھا رقصاں نظر کے ہر لچکتے تار پر
اُٹھ رہے تھے رفتہ رفتہ سب حجاباتِ نظر
تھا جمالِ حشر پرور کا یہ ہلکا سا اثر
ضَو مری شمعِ طرب کی ہو رہی تھی تیز تر
گو یہاں بھی حُسن کی رعنائیاں کچھ کم نہیں
زندگی کی راحتیں ہیں زندگی کے غم نہیں
ضَو فشاں دہکے ہوئے رخسار ہیں چاروں طرف
شاعری کے یہ حسیں اسرار ہیں چاروں طرف
کارواں در کارواں سرمستیاں ہیں موجزن
مہ وش و مہ پیکر و زہرہ جبین و سیم تن
اس ہجومِ حُسنِ خود آرا سے گھبراتا ہوں میں
زندگی میں زندگی ہی کی کمی پاتا ہوں میں

(۱۹۴۴ء)

عشرتِ فردا

اگرچہ اُس سے ابھی آشنا نہیں ہوں مَیں

مگر یہ سوچ رہا ہوں کہ اس کے آد

حسین کاہکشاں کی طرح حسیں ہو

وہ بیقرار کھنکتی سی چوڑیوں کے گ

سکون و عشرتِ فردا کے جو امیں ہو

فضائے کون و مکاں کے سکوت کی

دلِ حزیں میں اُتر کر وہیں مکیں ہو

رچہ اس سے ابھی آشنا نہیں ہوں مَیں

مگر افق پہ تصوّر کے دیکھتا ہوں مَیں

وہ بے حجاب ادائے سرود و رقصِ شباب

وہ مست مست نگاہوں میں خمکدوں کی جھلک

ہر اک نظر میں چھلکتا ہُوا سا جامِ شراب

مری طرف وہ امڈتے ہوئے حنائی ہات

مرے لئے وہ دھڑکتا ہُوا دلِ بیتاب

رچہ اس سے ابھی آشنا نہیں ہوں مَیں

مگر حسین تصوّر میں کھو کے صبح و مسا

افق پہ دُور بہت دُور دیکھتا ہوں اسے

(۱۹۴۴ء)

تاریکی

تیرہ و تار رہے یونہی گذر گاہِ حیات

اپنے ویران سے ماحول میں کچھ پا نہ سکوں
میری محروم نگاہوں کو شکایت نہ رہے
تو مرے پاس بھی گر ہو تو سکوں مل نہ سکے
تو سہارا نہ بنے تجھ سے محبت نہ رہے
زندگی اور بھی ہو جائے پریشاں اے کاش
خنکیٔ مرگِ الم سوز کی چاہت نہ رہے

تجھ کو تسکینِ غمِ دل کی قسم ہے اے دوست
میری بیباک سی الجھی ہوئی گفتار نہ سن
میرے اک نالۂ شب گیر سے گھبرانا کیا
میرے آوارہ و بہکے ہوئے اشعار نہ سن
سازِ ہستی کے بکھرتے ہوئے تاروں کو نہ چھیڑ
قہقہوں کی یہ لرزتی ہوئی جھنکار نہ سن

یہ المناک فضاؤں میں سسکتے ہوئے گیت
دھندلی دھندلی سی نگاہوں میں یہ اسرارِ حسیں
یہ ترستی ہوئی بانہوں کے اپاہج ارماں
ایک سجدے کی تمنا میں یہ مضطر سی جبیں
میرے ہر لمحۂ بے کیف پہ طاری ہے جمود
ہاں تجھے مجھ سے غرض کچھ بھی نہیں کچھ بھی نہیں

کاش اس تیرے تغافل کو میسر ہو ثبات
تیرہ و تار رہے یونہی گذر گاہِ حیات

د ۱۹۴۴ء

کاوش

کبھی فلک کے ستاروں کو دیکھتا ہوں میں
کبھی زمین کے ذروں پہ ہے نگاہ مری
کبھی فریبِ تبسّم سے کھیلنے کی امنگ
کبھی ہے جاذبِ دل آنسوؤں کا سُرخ سا رنگ
کبھی چمکتی ہوئی کہکشاں ہے راہ مری

کبھی یہ دل میں تمنا کہ نوچ لوں تارے
کبھی خلش ہے کہ ذروں کو ماہتاب کروں
جنوں کا حسنِ مجسم سے انتساب کروں
فضا میں جاگ اٹھیں شوخ و شنگ اکتارے

ہر ایک شئے کی حقیقت کی جستجو ہے مجھے
ہر ایک شئے کے لئے بیقرار رہتا ہوں
جگر گداختہ سینہ فگار رہتا ہوں
عجیب طرح کی پُر کیف آرزو ہے مجھے
مری یہ کاوش بیجا گراں نہ ہو جائے
ہر ایک چیز نظر سے نہاں نہ ہو جائے

دسمبر ۱۹۴۴ء

شباب

ابھی تو جذبۂ جنونِ عشق کامیاب ہے
ابھی مری ہر ایک رگ میں خونِ انقلاب ہے
ابھی تو زندگی مری شباب ہی شباب ہے

ہے انجم و قمر سے اک سرورِ بیخودی عیاں
ہر ایک دل میں شوقِ آرزو نے لی ہیں چٹکیاں
سمٹ کے آ گیا ہر اک نظر میں کیفِ دو جہاں

نگاہ میں بہار ہے تو ہر طرف بہار ہے
خزاں بدونِ گل بھی دیکھ کتنی خوشگوار ہے
خرد کا بھی جنوں زدوں میں آج تو شمار ہے

مری وفا کے جذبۂ جواں کو بھی اَب آزما
مجھے بھی اَب تو جلوہ ہائے طور کی جھلک دکھا
مجھے بھی آج ساقیا شرابِ معرفت پلا

مجھے بھی اذن دے کہ رنگِ کہکشاں کو نوچ لوں
زمین و آسماں کے حسن شعلہ ساں کو نوچ لوں
میں اپنی راہ کیلئے مہِ جواں کو نوچ لوں

مجھے بھی اذن دے کہ راہ ایک جست میں کٹے
کہیں کہیں جو رہ گئی ہے تیرگیٔ دل گھٹے
یہ فکرِ احتساب کی سیاہ سی گھٹا چھٹے

مجھے بھی اذن دے کہ گردشِ فلک کو تھام لوں
میں اپنے جذبۂ جواں سے اب جہاں میں کام لوں
قدم قدم پہ میں بصد نیاز تیرا نام لوں

مجھے بھی اذن دے کہ اب شباب کو لٹا سکوں
نوائے دل پہ نغمۂ رباب کو لٹا سکوں
میں زندگی کے اس حسین خواب کو لٹا سکوں

(۱۹۴۶ء)

اعتراف

دل میں یہ آرزو تھی بہارے گذشتہ سال
جی بھر کے اس بہار میں پی لیں مئے وحال
واعظ کو اس عمل پہ نہ ہو کوئی قیل و قال
کر دیں گے ترک بادہ پرستی ہم اگلے سال

اس سال بھی بہار میں توبہ نہ کر سکے
پینے پلانے ہی میں یہ سب دن گذر گئے

جب ان کی چشمِ شوخ سے کھنچی گئی شراب
ذوقِ نظر نے جب کیا جلووں کو بے نقاب
جب بیخودی میں دل سے اُٹھا خوفِ احتساب
ہر آرزو کے رخ پہ نکھرنے لگا شباب

توبہ کو توڑ بیٹھے کیا اہتمامِ مے
ساقی سے بڑھ کے مانگ لیا ہم نے جامِ مے

(۱۹۴۶ء)

ازدواجِ محبّت

کالج میں داخلے کے فقط چند روز بعد
شاہد کی آنکھ شوخ زرینہ سے جا لڑی

کیوپڈ کا اک سنہرا حسیں تیر آ لگا
دل کے ہر ایک گوشہ میں اک کھلبلی مچی

ہر وقت دل میں آپ کے رہنے لگا خیال
واللہ آسمان سے اتری ہے یہ پری

کیا لطف زندگی کا نہ آئی یہ ہاتھ اگر
ہے عشق کی شکست ندامت کی زندگی

گر بن سکے نہ اس کے رفیقِ حیات ہم
راوی میں ڈوب جائیں گے کر لیں گے خودکشی

شائد سماج کو نہ ہوئی آج تک خبر
خلّاقِ زندگی کی مشیت بھی ہے یہی

ورنہ یہ بات کیا ہے کہ پہلی نگاہ میں
آنکھوں کی راہ دل میں ہمارے اُتر گئی

اور پھر یہی نہیں کہ ہمیں کو ہے اس سے عشق
ہے ہر ادا سے اس کی عیاں دل کی گدگدی

جب بھی ہوا ہے اس سے تصادم نگاہ کا
دیکھی گئی ہے اس کے لبوں پر بھی اک ہنسی

شاہد کو اس خیال میں کچھ دن گذر گئے
حتّٰی کہ دل سے ضبط کی طاقت بھی چھن گئی

اب سوچنے لگے کہ ہو کچھ گفتگو کا ڈھنگ
کب تک بسر کرے کوئی خاموش زندگی

تہذیبِ نو میں ایسی خموشی گناہ ہے
تعلیم یافتوں کے لئے بھی یہ بیکسی

مشہور ہے مثل کہ جو ہو محو جستجو
پالے گا ایک روز وہ مقصودِ زندگی

شاہد کے بھی زرینہ سے پیمان بندھ گئے
دونو نے ازدواجِ محبت کی ٹھان لی

ہر روز راہ و رسم محبت بڑھا گئے
ہر روز آرزوؤں کی کھلنے لگی کلی

حتّٰی کہ ہر زباں پہ تھی اُن کی ہی داستاں
یوں رفتہ رفتہ ہوگئی مشہور دوستی

کہتے تھے نوجوان کہ یہ خوش نصیب ہیں
ہندوستاں میں رہ کے ولائت کی سی خوشی

کچھ اور لوگ جو تھے بڑے سِن و سال میں
جن کا کہ تجربات سے دامن نہ تھا تہی

کہتے تھے یار بار کہ سمجھائیے انہیں
انجام سے نہیں ہے انہیں کچھ بھی آگہی

یہ لوگ تو رہے یونہی سرگرمِ قیل وقال
شاہد کی ایک کورٹ میں شادی بھی رچ گئی

دو تو ابھی سوارِ سمندِ نشاط تھے
دونو سرورِ عشق میں مخمور تھے ابھی

ہر صبح و شام سیر کا رنگیں پروگرام
ہر سیر میں نیا کوئی سامانِ دل لگی

یہ مختصر سا گھر تھا کہ جنت نشان تھا
جنت بھی اس سرور سے شائد کہ ہو تہی

لیکن بس ایک سال میں نقشہ بدل گیا
دونو کے اس جنون کی قلعی ہی کھل گئی

بڑھنے لگے تقاضے زرینہ کے روز روز
اور رفتہ رفتہ آنے لگی اس میں خودسری

"شادی سے قبل وعدوں کی بھرمار دیکھئے
گویا کہ آپ کو ہے میسّر گورنری"

"اب اتنے بے نیاز کہ ہے خارج از بیاں
کیا اس طرح بھی کاٹے سے کٹتی ہے زندگی"

شاہد کے دل میں بھی تو کوئی کم گلے نہ تھے — وہ سوچتا تھا اب وہ زرینہ نہیں رہی

پہلا سا انس ہے نہ وہ پہلی سی بات ہے — کیوں آنکھ کے جھپکنے میں دُنیا بدل گئی

ہر لمحہ تلخ تر ہوا جاتا تھا یہ خیال — ہر لحظہ آ رہی تھی محبت میں اک کمی

آخر وہ دن بھی دیکھنا انکو ہوا نصیب — جب ازدواجِ عشق نے ہچکی سی ایک لی

ملکے سے خیر باد کہا اور چل دیا
گویا کہ اس گھرانے میں آیا نہ تھا کبھی

(۱۹۴۶ء)

برسات کی رات

رات کا وقت اور یہ بارش — کیوں نہ لُٹ جائے میرا صبر و سکوں

کیوں نہ ہو جاؤں میں بھلا بیتاب — کیوں نہ ہو جائے دل مرا محزوں

کیوں نہ عہدِ گذشتہ یاد آئے
کیوں جدائی سے دل نہ گھبرائے

کیوں نہ بارش کا اب ہر اک قطرہ — دل میں اک ٹیس سی کرے پیدا

کیوں نہ کانوں پہ بوجھ بن جائے — مینہ برسنے کی ہلکی ہلکی صدا

کس طرح اپنے دل پہ جبر کروں
ایسی بارش ہو اور صبر کروں

مجھ کو سمجھائے گا کوئی کس طرح — مجھ کو بتلائے گا کوئی کیا بات

مجھ کو سمجھانے والے سوچیں جب — ایسی بارش ہو اور ایسی رات

کونسی آنکھ ہے کہ سو جائے
نیند کی بیخودی میں کھو جائے

مجھ کو یاد آرہے ہیں وہ شب و روز   ذہن پر چھا رہے ہیں وہ ایام
جبکہ ایسی ہی بارشوں کے وقت   میرے پہلو میں تھا وہ دلآرام

ہنستے اور کھیلتے گذرتی شب
بھیگ کر اور بھی نکھرتی شب

اب ہر اک لمحہ اک پہاڑ بنا   زندگی سے طویل تر ہے رات
خاتمہ زندگی کا ممکن ہے   رات کٹ جائے یہ ہے مشکل بات

ہاں بس اب تو یہی ہے اک تدبیر
مجھ سے اُلجھے نہ اب مری تقدیر

یا چلا آئے میرا دلآرام   مجھکو صبر و سکون مل جائے
ورنہ بارش کو روک دے کوئی   رات یونہی نہ دل کو گرمائے

مجھ سے لیکن کسی کو کام ہی کیا
میری خواہش کا احترام ہی کیا

یونہی کرنا ہے شب بسر مجھ کو   یونہی رہنا ہے رات بھر بیخواب
یونہی بارش کو دیکھنا ہے مجھے   یونہی رکھنا ہے آنکھ کو پُر آب

مَیں ہوں بارش ہے اور بھیگی رات
یعنی دل ایک اور دو آفات

(سنہ ۱۹۴۶ء)

اُس کی تصویر ملنے پر

جس کے لب تصویر میں ہیں اس قدر شیریں نسیم
ہو بیاں شیریں بیانی اس کی مجھ سے، ہے محال
جس کی آنکھیں پردۂ تصویر میں ہیں میکدہ
اس کی چشمِ مست کا اندازہ خارج از سوال
جس کے ماتھے کی چمک تصویر میں ہے رشکِ مہر
رفعتِ تقدیر میں اس کی بھلا کیا قیل و قال
جس کے ہر انداز نے تصویر کو دی ہے جِلا
اس کے ہر انداز پر پھڑکیں نہ کیوں اہلِ جمال
اس سراپا ناز کی تصویر ہے تصویرِ ناز
بھیج کر تصویر مانگا ہے دل آشفتہ حال
وہ سراپا حُسن میں بیگانۂ حُسن و شباب
پھر بھی مجھ سے یہ محبت یہ عنائت بے حساب

(سنہ ۱۹۴۶ء)

یقینِ بہار

اُتر گئے ہیں چہرہ ہائے یاسمن تو کیا ہُوا
بدل گیا خزاں سے گر رُخِ چمن تو کیا ہُوا
ہواؤں میں نہیں رہا وہ سحر کا اثر تو کیا
خموش ہے بہار کا جو نغمہ زن تو کیا ہُوا

مری نگاہ پر نہ یاس چھا سکی نہ چھائے گی
مجھے یقین ہے ایک بار پھر بہار آئے گی

یہ خشک خشک پھول اب ملے ہوئے ہیں خاک میں
یہ مُردنی سی آگئی ہے رنگِ تابناک میں
ہر ایک گوشۂ چمن میں تھم گئی ہیں شوخیاں
لہو شراب کا رکا ہُوا ہے جسمِ تاک میں

یہ کیفیّت چمن پہ اور بھی نکھار لائے گی
مجھے یقین ہے ایک بار پھر بہار آئے گی

گزر گئی جو زندگی وہ باعثِ الم نہیں
مری مسرتوں کے کارواں میں کوئی غم نہیں
مری نظر ہے رفعتِ فلک سے بھی بلند تر
اور اس بلند بام پر رسائی ستم نہیں

وفا پھر ایک بار نغمۂ وفا سنائے گی
مجھے یقین ہے ایک بار پھر بہار آئے گی

وہ دن بہت قریب ہیں وہ دن تو جلد آئیں گے
جب اپنے ہاتھ سے اٹھا کے جام وہ پلائیں گے
نفس نفس میں ہوں گے نغمہائے روحِ مضطرب
ہوا کی موج موج میں بہشت لہلہائیں گے

سرور کی جھلک ہر ایک دل کو جگمگائے گی
مجھے یقین ہے ایک بار پھر بہار آئے گی

(۱۹۴۶ء)

اُن کی آنکھیں

نہاں در نہاں راز ہیں اُن کی آنکھیں

بڑی ہی فسوں ساز ہیں اُن کی آنکھیں ۔۔۔ جنوں کا حسیں راز ہیں اُن کی آنکھیں
وہ بے شک رہیں مُنہ سے خاموش لیکن ۔۔۔ محبت کی غماز ہیں اُن کی آنکھیں

جوانی کی آواز ہیں اُن کی آنکھیں

زمانے کو کردیں تہ و بالا یک دم ۔۔۔ مسرت میں چاہیں تو بھر دیں غم و ہم
خزاں پر کبھی مہرباں ہوں تو یکسر ۔۔۔ خزاں میں بسادیں بہاروں کا عالم

بہار و خزاں ساز ہیں اُن کی آنکھیں

ہے تارِ نظر تارِ سازِ جوانی ۔۔۔ خرد کا فسانہ جنوں کی کہانی
مرے دل میں اک تیر سا سرسرایا ۔۔۔ خدا جانے کیا اُن کی آنکھوں نے ٹھانی

مقدر کی ہمراز ہیں اُن کی آنکھیں

بلاتی ہیں وہ مَیں چلا جا رہا ہوں ۔۔۔ اشاروں پہ اُن کے چلے جا رہا ہوں
خدا جانے یہ زہد ہے یا کہ عصیاں ۔۔۔ جو کہتی ہیں وہ مَیں کئے جا رہا ہوں

مری زیست کا راز ہیں ان کی آنکھیں

کبھی میری خاطر ہیں شوقِ مجسّم ۔۔۔ کبھی ایک لمحے میں ہیں مجھ سے برہم
کبھی مجھ سے بیگانگی کا وطیرہ ۔۔۔ کبھی دور ہی سے مرا خیر مقدم

تخالف کا اعجاز ہیں ان کی آنکھیں

بیک وقت ہیں اضطراب اور سکوں بھی ۔۔۔ ٹپکتی ہے مے ان سے اور اشکِ خوں بھی
کہے تو کوئی کیا کہے ان کو یارب ۔۔۔ کہ سادہ بھی ہیں اور ہیں پُرفسوں بھی

تخیل کی پرواز ہیں ان کی آنکھیں

کچھ آنکھیں ہیں ایسی کہ ہیں آہوانہ ۔۔۔ ہیں کچھ نرگسی اور کچھ دلبرانہ
مگر ان کی آنکھیں اُنہیں کی ہیں آنکھیں ۔۔۔ ہے تشبیہ سے ان کی قاصر زمانہ

سب آنکھوں میں ممتاز ہیں اُن کی آنکھیں

(۱۹۴۷ء)

آخری ملاقات

یہ پریشان سے گیسو یہ فسردہ سی نظر
یہ ٹپکتے ہوئے بے آب سے اشکوں کے گہر
یہ ہر اک گام پہ ڈرتا ہوا خاموش شباب
یہ اندھیروں سے الجھتی ہوئی بے نورِ سحر
تم کبھی یوں تو نہ ہوتی تھیں اداس و محزوں
کیا یہ سب کچھ ہے مرے ترکِ محبت کا اثر

تم کو اب راحت و آرام سے نفرت کیوں ہے
ربط ہے رنج سے اور غم سے عقیدت کیوں ہے
اپنے آئندہ زمانے کے لئے پھول چنو
اپنے گذرے ہوئے ایام پہ حسرت کیوں ہے
اب تو انسان زر و سیم میں تل جاتے ہیں
تم بھی تل جاؤ تمہیں اس کی شکایت کیوں ہے

تم کو معلوم ہے مجبور ہوں معذور ہوں میں
اپنے ماحول میں پابستۂ دستور ہوں میں
یوں تو مٹ سکتی نہیں میری محبت لیکن
اس کے مٹنے کا یقیں کرنے پہ مجبور ہوں میں
اس نئے غم سے مری زیست رہے گی دوچار
اپنی اس گردشِ حالات سے رنجور ہوں میں

تم کہاں تک مرے ہمراہ چلی جاؤ گی
تم کہاں تک دلِ بیتاب کو بہکاؤ گی
تم کہاں تک یہ سمجھنے پہ رہو گی مجبور
تم مری جاں ہو مری جان ہی کہلاؤ گی
بے زری جرم ہے میں مجرمِ اقراری ہوں
تم کسی اہلِ زر و سیم کی ہو جاؤ گی

مجھ سے باندھے گئے پیمانِ وفا توڑ بھی دو
میں تو اک غیر ہوں اب غیر کو تم چھوڑ بھی دو

(سنہ ۱۹۵۱ء)

دُعائیہ اشعار

بچّوں کے لئے

پنجابی اشعار

۱

خاکسار کے بیٹے عزیزم محمد اقبال سیفی اور عزیزہ امۃ الباسط شریف کی
شادی خانہ آبادی کے موقع پر۔

تیرے در پر سر بسجدہ ہے یہ اظہار و بیاں
اے مرے قادر توانا، اے خدائے دو جہاں
باسطؔ و اقبالؔ پر ہو سایۂ فضل و کرم
زندگی کا لمحہ لمحہ ہو بہارِ جاوداں
ذاتِ باری کی رضا ہے نقطۂ معراجِ زیست
سوئے منزل آرزو کا کارواں ہے اب رواں
ہر قدم، ہر لحظہ، ہر اک بات، ہر اک فعل سے
سُنّتِ پیغمبرِ حق کی اطاعت ہو عیاں
حُسنِ صورت، حُسنِ سیرت، حُسنِ اخلاقِ جمیل
تیری خاطر وقف ہوں دل ان کے اور ان کی زباں
تیری خوشنودی رہے راحت میں شامل ہر گھڑی
رنج و غم کی ہو گھڑی تو تُو ہو ان کا پاسباں
حِصّۂ وافر عطا کر ان کو اپنے نُور سے
اپنے لطفِ خاص سے کر کامیاب و کامراں

کر انہیں اسلام کے ہر حکم کی حکمت عطا
تیری درگہ میں رہیں ہر آن یہ سجدہ کناں
ہے خلیفہ کی اطاعت میں نبی کی پیروی
اور نبی کی پیروی ہے مرضیٔ خلّاقِ جاں
تو رہے ان کی بصارت اور بصیرت کا امیں
تیرے رنگوں سے انہیں ملتی رہیں رنگینیاں
تُو انہیں تقویٰ کی سب باریک راہوں پر چلا
تیرے جلوؤں کی ملے ان کو فراست بیکراں
انور و اظہر نبیلہ آصفہ اور فوزیہ
اس حسیں تقریب نے سب کو کیا ہے شادماں
اُس طرف ننھی بھی خوش ہے اور عصمت اور بشیر
اُن کی ہر اک بات ہے خوشیوں کا اک زورِ بیاں
اے مرے مولا تری رحمت کے طالب ہیں سبھی
اپنی امیدیں ترے ہاں لائے سب خورد و کلاں
ہو کرم فرما نسیمؔ بینوا کے حال پر
اور اس کے دوستوں پر بھی نگاہِ مہرباں

خاکسار کے بھانجے عزیزم ڈاکٹر داؤد احمد طاہر اور عزیزہ شگفتہ سیٹھی کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر بزبان والدہ داؤد احمد طاہر امۃ الحفیظ شوکت صاحبہ)

تری پناہ میں رہیں ہمیشہ، تری محبّت کا ہو سہارا
چمک اُٹھے مثلِ ماہ و خورشید ان کی تقدیر کا ستارا
یہ میرے داؤد اور شگفتہ نظر کی ٹھنڈک سکونِ دل کا
جمال ان کا جمیل تر ہو کرے جو حسنِ ازل اشارا
روش روش میرے گلستاں کی مہک اٹھی ہے وفا کی بُو سے
خلوصِ دل نے بصد تمنا فضائے ہستی کو ہے نکھارا
عزیز تر ہیں یہ میرے دل کو خدا بھی ان کو عزیز رکھے
مرے عزیزوں کے دل کی گہرائیوں سے نکلے دُعا خدارا
ہر ایک خیرِ کثیر دامانِ دل میں ان کے رہے فراواں
نظر نظر میں رہے درخشاں تجلّیٔ طُور کا نظارا
نئے گھرانے پہ آپ اپنی عنایتوں کا نزول کردے
مرے خدایا تجھے مری روح نے تضرع سے ہے پکارا
نسیمؔ مجھ سے زبانِ شوکت سے بس یہی کچھ کہا گیا ہے
خلوصِ جذبات کارواں ہے وگرنہ آج اس کے دل میں دھارا

خاکسار کی بھتیجی عزیزہ امۃ المتین اور عزیزم محمد رشید کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر

دونوں کی زندگی پہ ہو سایۂ ربّ ذوالجلال
دونوں رہیں تمام عمر خادمِ دین وخوش خصال
دست بدست ہمسفر منزلِ شوق پر نظر
اِن کی وفا ہو بے بدل ان کا خلوص بیمثال
راحتِ دل قدم قدم لطف وکرم رہیں بہم
دونوں ہر ایک بات میں رکھیں نگاہ میں مآل
خالقِ کائنات کے در پہ جھکائیں اپنا سر
اُس سے کہیں ہر ایک بات اُس سے کریں ہر اک سوال
اے مرے ربِّ ذوالمنن، تجھ پہ نثار جان و تن
لب پہ ترا ہی ذکر ہو، دل میں ہو تیرا ہی خیال
یہ ہے نسیم کی دُعا اور سبھی کی التجا
پائیں متین اور رشید تجھ سے عطائے لازوال

۴

خاکسار کے ماموں زاد بھائی عزیزم نسیم احمد سیفی (ابن مکرم مولوی صالح محمد صاحب) اور عزیزہ امۃ الرافع کی شادی خانہ آبادی کے موقع پر

ڈھل جائیں جو لفظوں میں مرے دل کی دُعائیں
بن جائیں وہ اللہ کی رحمت کی گھٹائیں
ہر سمت کھِلیں لالہ و گل فرحتِ جاں کے
دیوار و در و بام بہاروں سے سجائیں
ہر گام رہے نصرتِ باری کا تلطّف
ہر آن مسرت کی نئی شکل بنائیں
ہر صبح نئی آن، ہر اک شام نئی شان
کردار سے ہر روز نیا رنگ جمائیں
آسودگیٔ شوق میسّر ہو بہر نوع
لے راہگذر قافلۂ دل کی بلائیں
آسان رہے یوں تو ہر اک بات ہر اک کام
مشکل کو بڑے صبر و تحمّل سے نبھائیں

راحت طلبی گرچہ ہے انسان کی فطرت
دشوار پسندی کی حقیقت کو جگائیں

آمادۂ پیکار ہے ہر ذرۂ ناچیز
ہر ذرّے کو ہمدوش مہ و مہر بنائیں

اب وقت کی اقدار بدل جائیں تو بہتر
اب عزم کے جھومر کو جبینوں پہ سجائیں

دیکھے نہ کوئی ترچھی نگاہوں سے کسی کو
اعدائے وطن، اہل وطن کو نہ ستائیں

جی دار جیالا ہے جوانمرد سپاہی
احباب کو محبوب ہیں سب اس کی ادائیں

میدانِ وغا میں ہے وہ جرأت کا نمونہ
کرلیتا ہے برداشت عدو کی بھی جفائیں

ہر دل کی تمنا ہے کہ "روفی" رہے شاداں
ہر لب پہ ہیں "سبھی" کے لئے آج دعائیں

---

(۵)

حضرت مولٰنا ابو العطاء صاحب کی پوتی (بنت مکرم عطاء المجیب صاحب راشد) کی آمین کے موقعہ پر (بچّی کی زبانی)

خداوندا یہ ہے احسان تیرا کہ مَیں نے پڑھ لیا قرآن تیرا
تِری مجھ پر عنایت ہوگئی ہے مجھے تُو نے ہی یہ توفیق دی ہے
پڑھا ہے اس کو مَیں نے دل لگا کر جبھی تو اَب سُنا سکتی ہوں فر فر
مِرے ابّو کی تھی نظرِ عنایت مِری امّی نے بھی کی خُوب محنت
پڑھایا مجھ کو صبح و شام قرآں محبّت سے کیا ہے مجھ کو شاداں
اِنہیں توفیق دے تو اس سے بڑھ کر کرائیں ترجمہ بھی مجھ کو اَز بَر
بتائیں مجھ کو کیا کہتا ہے قرآں ملے دل کی خوشی اور راحتِ جاں
سکھائیں مجھ کو وہ تعلیم اس کی دل و جاں سے کروں تعظیم اس کی

مرے ہر ہر قدم پر رہنما ہو — یہ میری رُوح کی دل کی غذا ہو
مَیں اس کے نُور سے ہو کر منوّر — پہن کر اِس کی ہر خُوبی کا زیور
زمانے کو مَیں دُوں پیغام اس کا — ہو اونچے سے بھی اونچا نام اس کا
عمَل پیرا ہوں اس پر لوگ سارے — سبھی قوموں کے ہوں وارے نیارے
خداوندا تجھے سب کچھ پتہ ہے — مرے ننھے سے دل میں بات کیا ہے
زباں پر آ نہیں سکتی ہر اک بات — بیاں ہوتے ہیں مشکل سے خیالات

مُجھے تُو وہ سبھی کچھ دے خُدایا
جِسے کہتی ہے اک دُنیا "عطایا"

---

(۶)

اپنے بیٹے انور اقبال سیفی کی زبانی

الٰہی مجھے نیک لڑکا بنا کر — مجھے راستی سے محبّت عطا کر
مِرے چشم و دل اپنے جلووں سے بھر دے — مثالی مِرا حُسنِ کردار کر دے
عطا کر مجھے شوقِ علم و عمَل تو — بَسا دے ہر اک سانس میں اپنی خُوشبو
تِرے ہاتھ میں ہے ثمر محنتوں کا — مری سعی ہو سعیِ مشکور مولا
مری کھیل کود اور مرے کام سارے — نِپٹتے چلے جائیں تیرے سہارے
نہ ہو مجھ کو بغض و عداوت کسی سے — مرے دل سے پھوٹیں محبّت کے سوتے
مجھے نیک کاموں سے ہو جائے رغبت — ملے صحبتِ صالحین جماعت
نگاہِ کرم مجھ پہ خیر البشرؐ کی — تمنا رہے خُوب سے خُوب تر کی
مرے راہبر اُن کے نقشِ قدم ہوں — کبھی ولولے زندگی کے نہ کم ہوں

غرض یہ خلاصہ ہے میری دُعا کا
مرے سر پہ سایہ ہو تیری رضا کا

۷

اپنے بیٹے اظہر اقبال سیفی کی زبانی

پڑھ لیا ہے میں نے قرآنِ مجید   ہوگئی ہے میرے چشم و دل کی عید

اپنے فضلوں سے مجھے اب اے خدا   اس کے معنی اور مطلب بھی سکھا

بار بار اِس کو پڑھوں میں غور سے   دِل مرا مسرور ہو ہر دَور سے

تُو عطا کر مجھ کو توفیقِ عمل   راہبر ہو یہ کتابِ بے بدل

جو کہے قرآن "کر" کرتا رہوں   جس سے روکے اُس سے میں ڈرتا رہوں

جان و دل سے میں رکھوں اس کو عزیز   اس کے آگے ہیچ ہو ہر ایک چیز

جس نے اس کا پڑھنا سکھلایا مجھے   اے خدا اس کو بہت سا اجر دے

کچھ سبق باجی نے بھی مجھ کو دیئے   اور دُعا کرتی ہے وہ میرے لئے

اے مرے مولا اُسے تُو شاد رکھ   فکر و غم سے تو اُسے آزاد رکھ

میری خاطر دے اُسے اجرِ عظیم   تُو بہت اچھا ہے اے مولا کریم

اور مرے ماں باپ پر ہو مہرباں   وہ مری تعلیم کے ہیں پاسباں

اُن کی خواہش ہے کہ جب میں پڑھ چکوں   دین کی اغراض کو پُورا کروں

مِل کے سب میرے لئے کیجے دُعا
ہو کتاب اللہ مِرے دل کی غذا

۸

احمدی بچے کی دُعا

اسلام کی تبلیغ مرا کام ہو یارب
ہر لمحہ مرے لب پہ ترا نام ہو یارب
ہو ذکر ترے لُطف کا اور مدحِ محمدؐ
یہ شغل مرا ہر سحر و شام ہو یارب
جو دوست نہیں تیرا مجھے اس سے غرض کیا
جو دین کا دشمن ہے وہ ناکام ہو یارب

ہر بات میں شامل نظر آئے تری نصرت

ہر کام کچھ اس طرح سرانجام ہو یارب

انسان کی بہبود رہے میری نظر میں

ہر لفظ مرا امن کا پیغام ہو یارب

کام آؤں کسی درد کے مارے کے شب و روز

ہو یہ مری راحت یہی آرام ہو یارب

جانے کہ نہ جانے مجھے دنیا کا کوئی شخص

بس تیرے رجسٹر میں مرا نام ہو یارب

وابستہ خلافت سے رہوں اے مرے مولا

مجھ پر یہ کرم، یہ ترا انعام ہو یارب

۹

خاکسار کی بھانجی عزیزہ آصفہ طاہرہ کی پہلی سالگرہ کے موقع پر

آصفہ کی ہے آج سالگرہ — خود بخود لب پہ آ رہی ہے دعا

نیکیاں ہوں سرشت میں شامل — عمر اس کو دراز دے مولا

باپ اور ماں کی آنکھ کی ٹھنڈک — یعنی مرکز ہو دل کی راحت کا

سلسلہ کا وقار اس سے بڑھے — اس کو حاصل رہے خدا کی رضا

ہر قدم پر خدا رہے ناصر — ہر قدم پر ہو آسرا اس کا

اپنے مسرور، خوش رہیں اغیار — اس کا ذوقِ سلیم ہو ایسا

علم و عرفان سے ہو مالا مال — اور ملے خوب مالِ دنیا کا

زندگی کے ہر ایک حصے میں — ہو حقیقی مسرتوں کی فضا

یک زباں ہو کے سب کہیں آمین

جو بھی نکلی ہے میرے دل سے دعا

کام اور نام

وقت کی قیمت جاننے والے   یہ دولت پہچاننے والے

ہر لمحہ محنت کرتے ہیں   ناکامی سے وہ ڈرتے ہیں

نااُمیدی سے دل خالی   تیز قدم اور ہمت عالی

جو کچھ کرنا چاہیں کرلیں   سنور سنور کر اور سنور لیں

راہ کوئی دشوار نہیں ہے   خار نہیں دیوار نہیں ہے

ہر مشکل آسان ہے ان کو   منزل کی پہچان ہے ان کو

وقت کو اپنی جان سمجھ کر   محنت کو ذی شان سمجھ کر

ہردَم کام اور کام اور کام
یوں کرتے ہیں اپنا نام

وفادارِ خلافت

خلافت کا دل سے وفادار ہوں میں   خلافت کے دشمن سے بیزار ہوں میں

محمدؐ کا دیں ساری دُنیا میں پھیلے   ہر اک سمت جانے کو تیار ہوں میں

خدا کی خدائی ہو قرآں سے واقف   خدا سے اسی کا طلبگار ہوں میں

غریبوں کے دُکھ درد میں کام آؤں   مصیبت کے ماروں کا غمخوار ہوں میں

مسرت کے پھولوں کی خوشبو کے بدلے   کسی زخمِ دل کا خریدار ہوں میں

الٰہی مجھے علم کی روشنی دے   کہ ہر بزم میں شمع بردار ہوں میں

تری یاد ہے زندگی کا سہارا
تجھے چھوڑ دینے کا ہے کس کو یارا

لوری

سونے کا وقت آیا ہے بے بی تو سو بھی جا

پیاری نندیا خوشبوں کا اک تاج بنا کر لا
دل کی راحت آنکھ کی ٹھنڈک کے سر پہ پہنا
خوابوں کی پریاں شہزادوں کے آنگن میں ہوں
تو میٹھی میٹھی تانوں میں کوئی گیت سُنا
پھیل رہی ہے دُنیا بھر میں فطرت کی آواز
باطل کی تقدیر یہی ہے دبتا جائے گا
دُنیا کی ہر مشکل کا اسلام ہے چارہ گر
میرا ننھا اک دن یہ پیغام سُنائے گا
گہری اور میٹھی نندیا میں میٹھے میٹھے خواب
خوابوں میں تو چاند ستارے توڑ کے لائیگا

سونے کا وقت آیا ہے بے بی تو سو بھی جا

عید

ہم نے عید منائی ہے
ٹافی برفی کھائی ہے
کپڑے رنگ رنگیلے ہیں
بوٹ اپنے نوکیلے ہیں
ٹوپی کو ترچھی رکھ کر
بن جاتے ہیں ہم افسر
نیلے لال غباروں سے
پانی کے فواروں سے
ہم جی بھر کر کھیلے ہیں
یہ خوشیوں کے میلے ہیں
ہم تحریک کے جھولوں پر
بیٹھے بیٹھ گئے ڈٹ کر
کیا کہنا ان جھولوں کا
اور گلابی پھولوں کا
مہکا ہے سارا میداں
ہر شے سے پھوٹی خوشیاں

انّو۔ اجّی اور پپّو
شُونگھ تو لو اُن کی خوشبو
لیکن پھُول جو توڑیگا
مالی کان مروڑے گا
گوگی اور گڈّو کو بھی
تم جا کے لا دو ٹانی
ہاکی اور بلاّ لے لو
آؤ ہم سے بھی کھیلو
زور سے ہٹ لگ جائیگی
بیلہ بال اُٹھائیگی
پھینکے گی اور خوش ہوگی
کہو سُنا ہے کچھ گوگی
آج کے دن اللہ کرے
بولیں ہم سب بول کھرے
شوخی اور شرارت میں
کھیلوں کی ہر حالت میں
خوش خلقی کو نہ بھولیں
شیخی سے ہم نہ پھولیں

ایسے عید منائیں ہم
سب اچھے بن جائیں ہم

نئے سال کا عہد

ہیں عہدہ برآ اب گئے سال سے ہم
نیا عہد باندھیں نئے سال سے ہم

قدم تیز سے تیز تر ہم کریں گے
مہمّاتِ منزل کو سر ہم کریں گے
محبت سے ہر ایک دل جیت لیں گے
خزاں سے بہاروں کے ہم گیت لیں گے
فضاؤں میں ہم گھول دیں گے حلاوت
ہر اک لب پہ ہو گی محبت محبت

بڑوں کے لئے باعثِ فخر بن کر
بنائیں گے ماحول بہتر سے بہتر
صفائی کو ہم دل سے رکھیں گے پیاری
کہ ہے اس سے وابستہ صحت ہماری
امانت دیانت کا معیار ہوں گے
ضیائے ہدایت کا مینار ہوں گے
بہت دل لگا کر کریں گے پڑھائی
کہ تعلیم کا ہے یہی وقت بھائی

ملے ہم کو توفیق سالِ رواں میں
کہ ہم سرخرو ہوں ہر اک امتحاں میں

بنگلہ گُڑیا

پوربو پاکستان سے آئے — خالہ جی اک گڑیا لائے
رنگ اس کا ہے گو مٹیالا — چینی گڑیا سے ہے اعلیٰ
لانبے لانبے بال ہیں اس کے — پھُولے پھُولے گال ہیں اس کے
ساڑھی دیکھو نیلی پیلی — اور کُرتی ہے رنگ رنگیلی
بنگلہ دامن بنگلہ چولی — بولتی ہے یہ بنگلہ بولی
چاول کو کہتی ہے بھات — مچھلی کھاتی ہے دن رات
چھیمی کو بُوبُو کہتی ہے — اس کے پاس ہی یہ رہتی ہے
کبھی کبھی چُپ ہو جاتی ہے — یادوں میں یہ کھو جاتی ہے
کُھلنا ڈھاکہ باری سال — کون کہے ان کا احوال
تیز ہواؤں سے ڈرتی ہے — طوفاں پر آہیں بھرتی ہے
جیسے سوچ میں ڈوبی ڈوبی — یہ بھی ہے اس کی اک خوبی

کیا یہ سچ مُچ کی ہے گڑیا
یا ہے میرے وہم کی پُڑیا

کامیابی

محبت سے اگر آپس میں رہنا سیکھ لوگے تم
اگر ہر حال میں حق بات کہنا سیکھ لوگے تم
اگر طوفان کی موجوں سے آجائے گا ٹکرانا
اگر دکھ درد کو ہنس ہنس کے سہنا سیکھ لوگے تم
اگر خُو ڈال لوگے غور اور فکر و تدبّر کی
مخالف سمت دریا کی جو بہنا سیکھ لوگے تم
اگر ہر شخص سے اخلاق سے تم پیش آؤ گے
جہاں کہنا پڑے "جی" گر یہ کہنا سیکھ لوگے تم
اگر بولوگے ڈٹ کر بولنے کا ہو جہاں موقع
اگر حسبِ ادب خاموش رہنا سیکھ لوگے تم
تو پھر فضلِ خُدا سے کامیاب و کامراں ہوگے
زمانے کے لئے اسلام کا زندہ نشاں ہوگے

گنتی

(ایک[۱] سے دس[۱۰] تک)

سب سے پہلے ایک[۱] کہو — سب کے سب مِل جُل کے رہو
اس کے بعد آتا ہے دو[۲] — خوشیوں کے جھولے جھولو
ایک اور دو سے آگے تین[۳] — شین کو کیوں کہتے ہو سین
سُن لو چڑیوں کی چہکار — جن کی اب تعداد ہے چار[۴]
کیا اچھا نمبر ہے پانچ[۵] — سچ کو کب آتی ہے آنچ
پانچ میں ایک ملے تو چھ[۶] — اس سے آگے سات[۷] ہوئے
گنتے ہو تو گنتے چلو — سات سے آگے آٹھ[۸] کہو
دو ہندسوں پر کردو بس — نو[۹] کے بعد آتے ہیں دس[۱۰]

نعت

اوہدے آون تے آدم زاد دا ودھیا کناک مان میں کیہ دساں
اوس رب رحیم دے حبیب دی کڈی اُچی اے شان میں کیہ دساں

دتا سب توں ودھ کلام انہوں گھلیا رب نے آپ سلام انہوں
اوہدی گل گل دے وچوں نشان وردے اوہدا ہور نشان میں کیہ دساں

جنہوں فقر دے اُتے ہی فخر رہیا جیدا بوریا تخت توں ودھ کے سی
اوہدے قدماں دی خاک توں واری جاندے نیں ستے اسمان میں کیہ دساں

جنہے پھڑ کے سِتھ مخلوق دا اپنے خالق دے نال ملا دتا
ایہہ سچ اے اوہ انسان ای سی پر کداں دا انسان میں کیہ دساں

جدوں اپنے ویری دشمناں توں اوہ مار مکان دے قابل ہویا
اِک اِک دی جان بچا لئی ہویا کناں ک مہربان میں کیہ دساں

اکھاں نال جدوں دی نسیم نے چُم لئی اے خاک اوہدیاں راہواں دی
بن گیا اے ولیاں دی ٹولی وچ ایہہ کڈا اک پردھان میں کیہ دساں

مری ہک پئی سُوں سُوں کردی اے — کِتے سینے چ دل تے بلدا نئیں
جو کجھ توں سمجھ کے رُسیاں ایں — اوہ مطلب میری گل دا نئیں
ایہہ راہواں عشق دیاں راہواں نیں — تائیں نال مرے کوئی چلدا نئیں
میں چِٹھیاں لکھ لکھ تھکیاں واں — توں کوئی سنیہا گھلدا نئیں
سر ہتھ تے رکھ کے آ ایتھے — ایہہ در کوئی اینویں ملدا نئیں
کدی اک اتھرووں روناں واں — کدی ہنجوواں دا ہڑ ٹھلدا نئیں
کی گل جے تیرا ہو جاواں — مینوں ہور تے کوئی جھلدا نئیں
دس دین تے دنیا دوہواں چوں — کہدے ولدا ایں کہدے ولدا نئیں

چلا گیا اے جد دا نسیم دسّو
کہیڑا کم اے جہیڑا چلدا نئیں

میرے ہر اک وَیری نوں توں سَو سَو واری جا کے پُچھ
پر میرا وی حال کدی نہ تے میرے کولوں آ کے پُچھ

دُھپاں دے وچ بہ بہ کے میں پرچھاویں نوں لبھناں واں
توں دُھپ تے پرچھاویں دی گل مُکھ تے زلفاں پا کے پُچھ

اوہ پپل دے ہیٹھاں ڈونگیاں شاماں نوں ہتھاں وچ ہتھ
دونواں دلاں وچ کیہ سدھراں سی ہُن دل توں شرما کے پُچھ

بُھل گئیاں کہ یاد نے تینوں تیریاں نیویاں نیویاں نظراں
میں ہر گل تے کہندا ساں سچ اکھاں چ اکھاں پا کے پُچھ

بدّل کالے شاہ ای سہی پر ایہہ بدل کیہ وسّن گے
جھڑیاں دی گل میریاں اکھاں توں تُوں مینہ ورھا کے پُچھ

لوکی اینویں تے نئیں کہندے دل دریاواں توں ڈونگے نیں
دل دی سارے پچھنی آں تے ڈونگی چوبھی لا کے پُچھ

دل مَندے نیں کیدیاں گلّاں کیدے آکھے لگدے نیں
ایہہ اُجڑ جاناں کیہ کہندا اے توں دل نوں پرچا کے پُچھ

اوہ کیہڑا اے جیہڑا گھمن گھیراں وچوں کڈھ لیا وے
توں وی اپنے عشق دی بیڑی دے وچ وَٹے پا کے پُچھ

عشق دے ہاسے کھِڑ کھِڑ ہندے حسن دے ہنجو رکدے نئیں
ایہہ کیہڑی منزل وچ آ گئے جا لوکاں نوں جا کے پُچھ

کیدے نال اکھاں لڑ گئیاں کیدی جھولی دل جا ڈِگیا
جیہڑے منڈے وٹے مارن انہاں نوں پچکا کے پُچھ

اج نسیم دھڑکدا ہویا دل تیرا کیہ کہندا اے
انہوں کول بٹھا کے اپنیاں دو تن غزلاں گا کے پُچھ

---

(۱)

گھپ ہنیرا واٹ دراڈی راہی کلّو کلّے

چار چفیرے کوکاں وجن کجھ نہ پیندا پلے

سارے سیانے چپ چپیتے ٹُر گئے وار و واری

باقی رہ گئے ایس نگری وچ میرے ورگے جھلّے

کُرسی والے کرسی تو لتھن دے ڈر وچ مردے

اُنہاں نوں کوئی لاؤ کتھوں جیہڑے بہندے تھلّے

سجے کھبے آگے پچھے ہتھ ماراں تے لبھاں

کنہوں پچھاں اینہاں راہواں تے کوئی کنا چلّے

ڈبدے سورج دی تے لو وی انہوں چھڈدی جاوے

چڑھدے سورج نوں راتاں وی کہندیاں بلّے بلّے

مَیں وی ہن انہوں نہیں کہنا کدی تے پھیرا پا جا

رب تو تّل بیٹھاں واں ہن رب گھلے تے گھلے

جھل نہ سکّی اکھ کسے دی لونگاں دا لشکارا

سنگل بن کے پھائی پوندے اوہ ونگاں تے چھلّے

اَگے بہ بہ عمر گذاری کیہہ لبھّا کیہہ ڈھٹا

مَیں مُڑ جاواں اوس گلی وچ دسو کیہڑی گلے

تہنوں لوک نسیمؔ بھلا کیوں چنگا چنگا کہندے

گل کریں تے گل اوّلی کم کریں تے کم کوتے

پرچھاواں

اکھاں وچ اتھرو تے بُلاں اُتے ہاواں سی
ساریاں ای راہواں تیرے آون دیاں راہواں سی
ویہڑے وچ ادھی راتیں جاکے میں ویکھیا
نمی نمی لو وچ اک پرچھاواں سی
مینوں اینوں لگیا تیریاں ای بانہواں سی

چن نے وی ٹھاں ہو کے مینوں کجھ آکھیا
کون سی نے کتھے سی میں ویکھیا نہ چاکھیا
اکھاں وچ تارے جیہے پنج کے ایہہ کہندے سی
دل نئیں او رکدا اوئے دلاں دیا راکھیا
تیریاں اڈیکاں سی نے تیریاں ای چاہواں سی

رات ساری ننگھ گئی تے ڈھے پئے مان وی
سجرے سورج دی ودھ گئی شان وی
میرے دل ہس ہس ویکھ کے اوہ بولیا
تیریاں اڈیکاں دی ٹٹ گئی تان وی
ربا میرے لیکھاں وچ دھپاں سی نہ چھاواں سی

پیار جے نہ پاؤندی تے اڈیکاں وی نہ لاؤندی میں
کلّی کلّی بہ کے تے کیوں کرلاؤندی میں
ساریاں سہیلیاں تے ہانناں دے نال نال
ہسدی تے کھیڈدی تے گِدّے پئی پاؤندی میں
دلا پر تیریاں تے ونگیاں ای راہواں سی

نمی نمی لو وچ اک پرچھاواں سی
مینوں اینویں لگیا تیریاں ای بانہواں سی

ہاری ہوئی

ایہہ داٹاں دور دراڈیاں نیں
نہ تہاڈیاں نیں نہ ساڈیاں نیں
کدی کورے پے پے ٹھار دے نیں
کدی سر تے دھپاں ڈاڈھیاں نیں

مَیں سب توں پچھے رہ گئی آں
مَیں ہار کے راہ وچ بہہ گئی آں

مینوں چن تارے وی لڑدے نیں
میرے پُھل اَگّاں وچ سڑدے نیں
میتھوں لک لک لوواں بہندیاں نیں
مینوں گھپ ہنیرے پھڑدے نیں

مَیں عشق مناریوں لہہ گئی آں
مَیں ہار کے راہ وچ بہہ گئی آں

مینوں بِٹ بِٹ ویکھ کے لنگدے او
کدی ویکھدے او کدی سنگدے او
مرا حال نہ پچھن لگ پیناں
مینوں ڈنگی نوں کیوں ڈنگدے او

مَیں یار وچھوڑا سہہ گئی آں
مَیں ہار کے راہ وچ بہہ گئی آں

مینوں چپ چپیتی بہن دیو
مینوں ڈگی ڈھٹی رہن دیو
مَیں جھیڑے جھانجے لے بیٹھی
مینوں ہور نہ کجھ وی کہن دیو

کیہ کہنا سی کیہ کہہ گئی آں
مَیں ہار کے راہ وچ بہہ گئی آں

میرا نِکا جیہا ویر — میرے شونقاں دی تصویر
مینوں ویکھ ویکھ ہسّے — میرے دل اِی اوہ نسّے
میرے والاں نوں اوہ پٹّے — میرے اُتے ٹھُکاں سُٹّے
میری پنسل منہ وچ پاوے — میری گڈی نوں اوہ کھاوے
بانہواں کھول کھول آکھے — مینوں لاَئے اپنی ڈھاکے
جے مَیں چُکاں تے چپ ہووے — جے مَیں چھڈاں تے اوہ روے
مَیں تے ویرا ڈھاکے لاواں — مَیں تے چک کے ورا واں

اوہ پاوے کیوں ڈنڈ
اوہدے مُنہ پچ گھیو کھنڈ

ساڈے کولوں کولوں لنگدا جا — بھاویں ہسدا جا بھاویں سنگدا جا
اوہ اپنا عاشق لبھدے نیں — توں سُولی تے سرٹنگدا جا
اوہ آپے ایدھر ویکھن گے — توں ہولی ہولی کھنگدا جا
ایہہ ٹھنڈیاں مٹھیاں چھاواں نیں — یاداں دی راہ تو لنگدا جا
اساں پیار بھلیکھے پا لئے نیں — سانوں اپنے رنگ وچ رنگدا جا
کِتے دل نوں چین نہ آجاوے — انہاں چن راتاں نوں ڈنگدا جا
ایہہ چھانواں نیں کر دھپاں نیں — توں چپ چپیتا لنگدا جا
کوئی پاوے خیر کہ نہ پاوے — توں منگدا جا توں منگدا جا

توں یار تسیم نماناں ایں
توں یاراں توں وی سنگدا جا

رات دہاڑے ہنجو ڈُلّے — زخماں دے مُنہ رہ گئے کُھلّے

ساڈی کانیاں دی کُلّی تے — بدل ورھے تے جھکڑ جُھلّے

دوجے وَدھ وَدھ داجاں مارن — اپنے لوکی ساتوں بُھلّے

ساڈے یاراں دا کیہ کہنا — جھاجے گاھے پھیجے ڈُلّے

ایہ لوکاں دی منگن خیر — ایہو ای کردے ہلے گُلّے

اگّاں لا لا کوٹھے ساڑن — اپنے بلدے رکھن چُلھے

لتھی چڑھی نوں دل توں لاہ کے — موجاں مانن لٹّن بُلّے

ایہوای آپے ایہوای وڈے — اپنیاں پھوکاں دے وچ پھُلّے

انہاں دے لاچے پئے لشکن — چمکن کھُسّے پگّاں کُلّے

جتھیاں رُوحاں تہیے فرشتے — سوچوں خالی عقلوں کُھلّے

سب کجھ ویکھ نسیم نماناں

رب دی رحمت نوں کیوں بھُلّے

ٹپری واس

کنہوں دساں کتھوں آیاں

کنہوں پچھاں کتھے جاواں

اُچے نیویں ٹبے ٹیلے

لگّن اکو جیہیاں تھاواں

لنگدے لوکی بِٹ بِٹ وکھن

آپے ہساں آپے رواں

میلا چکڑ دل دا پنڈا

ہنجو لے انہوں دھوواں

فیر دی مینوں نہیں کوئی آس

میں اِک ٹپری واس

دنیا جدھر جاندی جاوے
اپنیاں سدھراں نوں پرچاوے
مَیں دھپاں وچ چھاواں لبھاں
مینوں کتے وی چین نہ آوے
پاٹے کپڑے سُکی روٹی
لُوں لُوں میری پیٔ کرلاوے
تتی تھاں تے تتا پانی
سنگھ وی میرا سُکدا جاوے

لوکی لئی پھردے ہتھر ماس
مَیں اک ٹپری واس

لوواں ای لوواں چار چفیرے
سوچاں تے ایہ گھپ ہنیرے
ہاسیاں وچو ہنجو وگدے
خوشیاں دے وچ غم دے ڈیرے
جھیڑے جھانجے کون مکاوے
ایدے اودے میرے تیرے

مَحلاں دے بُوہے نہ کھول
ایتھے وسدے سپ سپیرے

دنیا کِتھوں آئی واس
مَیں اک ٹپری واس

وَلّو وَلّی گل وَلا کے
دھوکے دے کے دھوکے کھا کے
ایسے دُنیا تے ریجھے نے
دوجی دُنیا بھُل بھلا کے
ٹِڈھ انہاں دا بھر یگی مٹی
کھاندے رہن گے رج رجا کے
حرص وحرصی دَوڑن بھجّن
پچھوں آکے اگّے جا کے

اک دوجے دا کھاندے ماس
مَیں اک ٹپری واس

سانجھ سویرا

لوکو رات ہنیری اے
پر بے درداں توں میں آکھاں
بے دردی دیاں لاجاں رکھ لو
چک چک ہتھ دعاواں منگو

ربا کر دے ہور ہنیرا
کالک مل لئے چار چفیرا
دکھاں نوں نہ لبھن دکھ
کوئی نہ پھولے اپنے دکھ
ہنجو ڈلن ڈلدے رہن
ویری جھگڑ جھلدے رہن

ایہہ راتاں دا گھپ ہنیرا
جتھے ظلماں لایا ڈیرا
سوچاں سوچ رہیاں واں آپے
مینوں سانجھ سویرا جاپے

عرشاں توں کوئی لہندا آوے
مینوں ایہ گل کہندا آوے
منگے وی کوئی منگن والا
بھورا پیلا چٹا کالا
پھڑ کے اوہدیاں دوویں باہواں
سورج اوہدی جھولی پاواں

کرناں دا اک جال وچھا کے
ہیٹھاں اتے دھپاں لا کے

اپنا روپ وکھا کے دساں
اوہ وی ہسے میں وی ہساں

ہنیری رات

لکھّاں تارے الکھّاں جھمکن فیر وی گھُپ ہنیرا
سجے نوں کھبّا نہ لبھے دُور اے سانجھ سویرا
ربّا میری اپنی لو دی جھولی سورج پا دے
راتاں جم جم آون ایتھے، کدی نہ لاون ڈیرا

مقدّر

تاریاں دے سارے موتی جھولی وچوں ڈُل گئے
ہسدیاں لوواں دے سارے بنھّ کھُل گئے
کیہ سی مقدّراں دی کھیڈ کہنوں پُچھّیئے
جتھّے مٹی وی سونا سی اوتھے اسیں رُل گئے

ہَولی ہَولی دل دی نمّی لو وچ گاؤندے جاؤ
لَآاِلٰہَ اِلَّااللہ دی گونج ودھاؤندے جاؤ
ہاواں روکو، ہنجو پی لَو منہ تے ہاسے کھِنڈان
سجے کھبّے سب دی جھولی خوشیاں پاؤندے جاؤ
روحاں دے زخماں نوں دھو کے دل دی دُنیا بدلو
رَبّ رحیم دی رحمت بن کے دکھ ونڈاؤندے جاؤ
لوکی جو کہندے نے کہندے رہن تے ہور وی آکھن
سڑدی بلدی دھرتی اُتّے میہنہ ورہاؤندے جاؤ
علم خدا دے نور دا جلوہ اوہدا ای لشکارا
آپ پڑھو تے سب لوکاں نوں سبق پڑھاؤندے جاؤ
کون آکھے تے کہنوں آکھے آپے سوچو سمجھو
ویلے دی ہر لوڑ نوں اپنے سینے لاؤندے جاؤ
وَیری سَو سَو وَیر کماوے، وَیر دی روٹی کھاوے
تُسیں تسیم رسولؐ دی خاطر پیار وَدھاؤندے جاؤ

نسیم سیفی